ماہنامہ
المرشد
اگست 2016ء
شوال/ ذیقعد 1437ھ

اللہ
رسول
محمد

تفکر ہمیشہ صفاتِ الٰہی میں کیا جاتا ہے، ذاتِ الٰہی میں نہیں۔
یہ انسان کے علوم اور استعداد سے بالاتر بات ہے۔ (صفحہ نمبر 12)

شیخ المکرم حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی

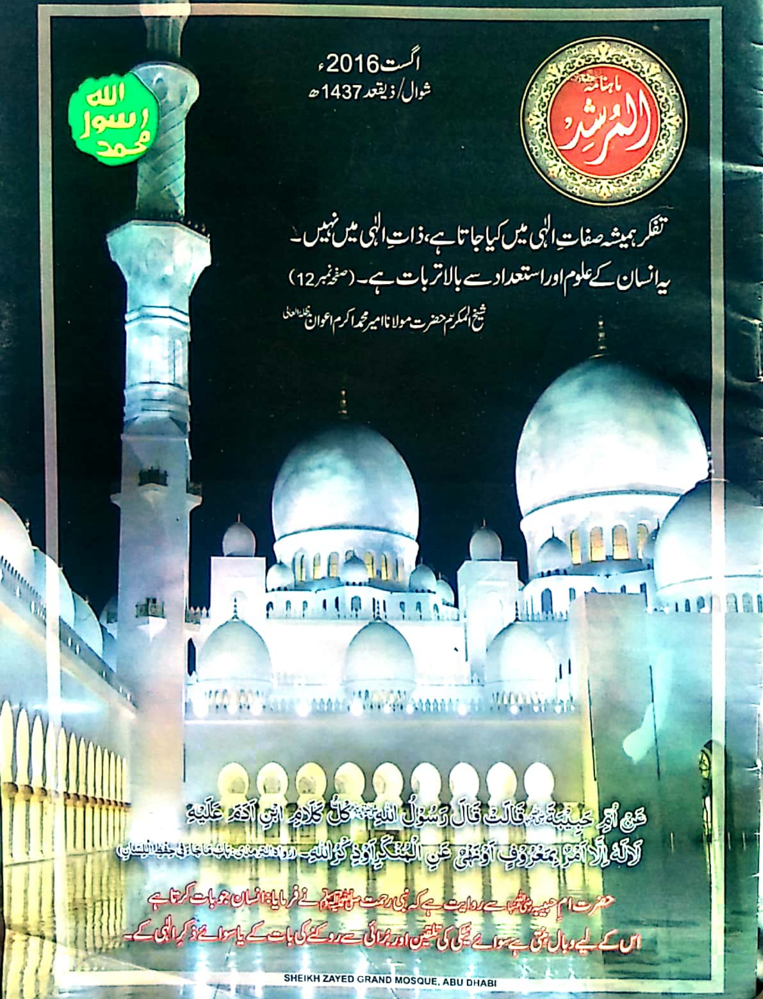

عَنْ اُمِّ حَبِیْبَۃَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ کُلُّ کَلَامِ ابْنِ اٰدَمَ عَلَیْهِ
لَا لَهٗ اِلَّا اَمْرٌ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ نَهْیٌ عَنِ الْمُنْکَرِ اَوْ ذِکْرُ اللّٰہِ۔ (رواہ الترمذی: باب ما جاء فی حفظ اللسان)

حضرت اُمِ حبیبہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی رحمت ﷺ نے فرمایا: انسان جو بات کرتا ہے
اس کے لیے وبال بنتی ہے سوائے نیکی کی تلقین اور برائی سے روکنے کی بات کے یا سوائے ذکرِ الٰہی کے۔

SHEIKH ZAYED GRAND MOSQUE, ABU DHABI

تصوف

تصوّف کیا ہے

خالقِ دوجہاں نے عالمِ خلق اور عالمِ امر کے حسین امتزاج سے حضرتِ انسان کو بنایا ہے انسان زمین پر اپنے ربّ کا نمائندہ، نائب ہے اور اِسی زمین کا ہر ذرّہ اُسی کی خدمت پر مامور ہے۔ اس کائنات بسیط میں انسان کو عالمِ صغیر بھی کہا گیا ہے کہ اس کے وجود کے مادّی اگر زمین کا خلاصہ ہیں تو اس کی روح میں عالمِ امر کے حواس، لطائف ہیں۔ اس کا سینہ ایک ایسی زمین ہے جس کے اندر مختلف قطعاتِ زمین نہیں بلکہ ایک ہی زمین مختلف انداز بدلتی رہتی ہے۔ کبھی ایسی سنگلاخ چٹان بن جاتی ہے کہ کوئی کتنی بھی ضرب کاری لگائے اس پر نشان تک نہیں پڑتا۔ کبھی ایسا پتھر بن جاتی ہے جس سے چشمے پھوٹ پڑتے ہیں۔ یہی زمین پھوارا پڑنے پر تازہ ہوجاتی ہے اور کبھی یہی زمین بارش کو بھی قبول نہیں کرتی کبھی یہ سرسبز وشاداب ہوجاتی ہے اور کبھی اس پر۔ بےکار خاردار جھاڑیاں اُگ آتی ہیں۔ جن سے کسی کو نفع نہیں پہنچتا۔ اس زمین پر موسم بدلتے ہیں اور اس کی تہہ میں لعل وگوہر، ہیرے موتی بستے ہیں۔ دل کی زمین ایک ایسا قطعہ ہے جو بیک وقت یہ سارے رنگ بدل سکتی ہے۔ اس کی زمین پر لگائی کھیتی کو ہر آن سینچنا پڑتا ہے ہر لحہ رکھوالی کرنی پڑتی ہے۔ اس کی شادابی کو ہر لحہ بگولوں سے بچانا پڑتا ہے۔ اپنی تمام تر زرخیزی کے باوجود اس میں کلر پیدا ہوتے دیر نہیں لگتی۔ اس کا گداز سینہ پتھریلا ہونے، سنگلاخ ہونے میں بھی تاخیر نہیں کرتا۔ اس دل کی زمین کو ہر آن سرسبز شاداب، بہار آفرین رکھنے کے لیے اللہ کے نام کا آبِ حیات ہر لحہ درکار ہے۔ یہی وہ نسخہِ اکسیر ہے جو ہر بگولے سے، دشمن کے ہر وار سے، خاردار جھنکار سے بچاتا ہی نہیں بلکہ اس کے سینے پر خوبصورت پھل اور پھول سجادیتا ہے۔ سایہ دار گھنے شجر اور نیکی کے خرش نما پھول یہی چشمہٗ حیات کھلاتا ہے۔ تمام انسانوں کے دلوں کے باغ کا باغباں ہے اللہ کا محبوب ﷺ کہ جس کی نگاہِ ناز نے پتھروں کو دھڑکنا سکھادیا، پہاڑوں سے ایسے چشمے پھوٹے جن کی روانی صدیوں کیا تاقیامت انسانیت کے چمن کو ہرا بھرا رکھے گی۔

تصوّف اپنے دل کی زمین کو مستقل بہار آفرین رکھنے کا فن ہے تا کہ ذکر اللہ سے ہر ذرّہ بھی روشن ہو، ذکر اللہ سے دل کی زمین کبھی اپنی حالت نہ بدلے۔ ہمیشہ نرم گداز اور زرخیز رہے۔ ہر دور میں ایسے ماہرین رہیں گے جو اِسی آبِ حیات کے امین ہوں گے، یہی مشائخ کہلاتے ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ماہنامہ
المرشد
PS/CPL#15

بانی: حضرت العلام مولانا اللہ یار خان رحمۃ اللہ علیہ مجدد سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ

حضرت مولانا محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی شیخ سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ

اگست 2016ء شوال/ذیقعد 1437ھ

جلد نمبر 37 شمارہ نمبر 12

مدیر: محمد اجمل

معاون مدیرہ: آصفہ اکرم (اعزازی)

سرکولیشن منیجر: محمد اسلم شاہد

قیمت فی شمارہ: 40 روپے

بدل اشتراک

پاکستان 450 روپے سالانہ، 235 روپے ششماہی

بھارت/سری لنکا/بنگلہ دیش	1200 روپے
مشرقِ وسطیٰ کے ممالک	100 ریال
برطانیہ یورپ	35 اسٹرلنگ پاؤنڈ
امریکہ	60 امریکن ڈالر
فارایسٹ اور کینیڈا	60 امریکی ڈالر

فہرست

اسرار التنزیل سے اقتباس	الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی	3
اداریہ	صاحبزادہ عبدالقدیر اعوان	4
طریقۂ ذکر		5
کلام شیخ	سیماب اویسی	6
اقوال شیخ	انتخاب	7
معرفت الٰہی	الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی	8
مسائل السلوک	الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی	16
اکرم التفاسیر سورۃ الاحزاب 59 تا 68	الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی	20
سوال و جواب	الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی	27
خواتین کا صفحہ	"سیر الصحابیات" سے ماخوذ	34
ضرورت شیخ	محمود خالد، بہاول نگر	36
انسانی روح کی ضروریات	الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی	39
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کی۔۔۔	الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی	44
مساعی جمیلہ	الاخوات، لاہور	48
طب: انار	حکیم عبدالماجد اعوان، سرگودھا	
Translated Speech	Ameer Muhammad Akram Awan MZA	54
Tassawuf	Maulana Allah Yar Khan(RAU)	57

انتخاب جدید پریس لاہور 042-36309053 ناشر: عبدالقدیر اعوان

سرکولیشن و رابطہ آفس: ماہنامہ المرشد، 17 اویسیہ سوسائٹی روڈ ٹاؤن شپ، لاہور
Ph: 042-35180381 Mob:0303-4409395, Email:monthlyalmurshed@gmail.com

ختم خریداری کی اطلاع
یہاں اس دائرے میں اگر کراس X کا نشان ہے تو اس بات کی علامت ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہوگئی ہے۔

مرکزی دفتر: دارالعرفان ڈاکخانہ نور پور ضلع چکوال۔ ویب سائٹ سلسلہ عالیہ www.oursheikh.org
Ph:0543-562200, Fax:0543-562198 Email:darulirfan@gmail.com

"قرآن حکیم کو اس نیت سے پڑھو کہ میرا پروردگار مجھ سے باتیں کر رہا ہے۔"

اچھوتے انداز اور منفرد طرز تحریر کی حامل
تفسیر قرآن حکیم اسرار التنزیل سے اقتباس

اَفَتَطۡمَعُوۡنَ اَنۡ یُّؤۡمِنُوۡا لَکُمۡ......وَھُمۡ یَعۡلَمُوۡنَ۔ (سورۃ البقرہ:75)

اب اے مسلمانو! کیا تم ایسے مُردہ دلوں سے ایمان کی اُمید رکھتے ہو۔ حالانکہ اس مُردہ دلی سے بڑھ کر اس قدر خواہشاتِ نفسانی کے اسیر ہیں کہ ان میں سے بعض ایسے بھی ہوئے ہیں جنہوں نے اللہ کے کلام کو سنا، سمجھا اور پھر جان بُوجھ کر اسے اپنے مطلب کے مطابق تبدیل کر لیا۔ مقصد یہ ہے کہ بے علمی کا گناہ بھی گناہ ہے مگر جانتے ہوئے محض اپنی غرض پُوری کرنے کو تاویلات باطلہ کا سہارا لینا اور اللہ کے کلام کو بدل دینا یا اس کا مفہوم غلط بیان کرنا اس قدر گری ہوئی باطنی کیفیت کو ظاہر کر رہا ہے کہ ایسے لوگوں کو کبھی ایمان نصیب ہونے کی توقع نہیں کی جا سکتی۔

یہاں صرف قصہ خوانی مقصود نہیں بلکہ ان یہود کو جن کے آباؤ اجداد کے یہ افعال تھے اور جن پر وہ بھی ناراض تھے متنبہ کیا جا رہا ہے۔ ساتھ ہی مسلمانوں کو بھی یہ احساس دلایا جا رہا ہے کہ انہوں نے موسیٰ علیہ السلام اور ان کی شریعت سے یہ سلوک کیا تو اس درجہ ذلیل ہو گئے، دھیان رکھنا تمہارے پاس تو محمد رسول اللہ ﷺ اور ان کی شریعت ہے۔

خدا ہمیں اپنی ذمہ داریاں پوری کرنے کی توفیق عطا کرے، آمین!

وَاِذَا لَقُوا الَّذِیۡنَ...... اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ (سورۃ البقرہ:76)

انہی کا حال بیان فرمایا کہ یہ ایسے بدبخت ہیں جو نہ صرف خود کو اور ہم مذہبوں کو دھوکا دیتے ہیں بلکہ مسلمانوں کو بھی دھوکے میں رکھتے ہیں اور اپنے مسلمان ہونے کا اعلان تک کر گزرتے ہیں۔ مگر جب آپس میں جمع ہوتے ہیں تو ایک دُوسرے کو تنبیہ کرتے ہیں کہ ایسی باتیں مسلمانوں سے کیوں کہہ دیتے ہو جو اللہ نے توریت کے ذریعے تم پر منکشف فرمائی ہیں کہ بعض یہودی یہ باتیں کر گزرتے تھے۔ نزولِ قرآن یا بعثت نبوی یا آپ ﷺ کا اتباع کرنے کی تاکید یا صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی تعریف وتوصیف توریت میں اس طرح مذکور ہے تو وہ یہ کہتے کہ یہ باتیں کر کے تم اپنے خلاف ایک مضبوط دلیل مسلمانوں کے ہاتھ دے رہے ہو جو تمہیں آج دُنیا میں بھی اور کل اللہ کی بارگاہ میں بھی مغلوب کر دیں گے، تمہیں اتنی بھی عقل نہیں۔

اداریہ

یوم آزادی

14 اگست 1947 بمطابق 27 رمضان المبارک 1366ھ وطن عزیز پاکستان کی آزادی کا مبارک دن ہے۔انسانی دسترس جتنی بھی ترقی کرتی جائے بہرحال محدود ہے۔اسی طرح ایام کا شمار بھی محدود ہے۔مواقع بدل جاتے ہیں،نسل در نسل تبدیلیاں وقوع پزیر ہوجاتی ہیں مگر تواریخ وایام پلٹتے رہتے ہیں۔امسال بھی 14 اگست،یوم آزادی کی آمد ہے 68 سال گزرنے کے باوجود ہم ہیں کہ آزادی کی روح سے ناآشنا ہیں۔

لفظ"ملک" فقط خطہ زمین کو نہیں کہا جاسکتا ہاں مگر باسیوں کے وجود سے اپنے معنی کی تکمیل پاتا ہے اور انسانی معاشرے کی ترقی کا انحصار حقوق وفرائض کی مساوی تقسیم پر ہوتا ہے اور مساوات آزادی کے بنا ممکن نہیں۔بحمد للہ بحیثیت مسلمان وجود انسانی کے تخلیقی عناصر کی جو راہنمائی نصیب ہوتی ہے اس کے تحت مٹی،آگ،ہوا،پانی اور ان عناصر کی آمیزش سے پانچواں عنصر نفس ہے۔نفس کا وجود غیر مرئی ہے مگر وجود ہے جیسے کان وجود رکھتے ہیں مگر شنوائی غیر مرئی ہے،آنکھیں وجود رکھتی ہیں مگر نظر غیر مرئی ہے۔عناصرِ وجود کا عالم خلق سے ہونا نفس کی خلق کی طرف رغبت کا سبب ہے۔اس لیے انسانی معاشرے کی معراج کے لیے قوانین کا ہونا بے معنی ہے سوائے نفاذ کے ورگرنہ صدیاں بھی گزر جائیں تو بھی آزادی کے معنی سمجھ نہیں آسکتے۔

اقوام عالم کی محکومی وآزادی کو تاریخ کے اوراق میں دیکھنے سے بخوبی سمجھ میں آتا ہے کہ جب کوئی قوم محکوم ہوجائے تو اس کی قدریں تک محکومی کی نظر ہوجاتی ہیں اور پھر چاہے غالب قوم کسی بھی سبب سے محکوم قوم کو آزاد بھی کردے تو بھی قدریں واپس نہیں آتیں۔زبان وانداز ہو یا لباس ومعاشرت،غیر کا ہی اعلیٰ لگتا ہے جیسے آج ہمارے معاشرے کا حال ہے ہاں مگر قوت بازو آزادی کا سبب بنے تو قومیں جی اُٹھتی ہیں اور ظاہری آزادی کے ساتھ ذہنی آزادی تک بھی پہنچ جاتی ہیں۔

کسی بھی ریاست کی کامیابی کا انحصار پانچ بنیادی نظام ہوتے ہیں۔تعلیم،انصاف،معیشت،صحت اور سیاست۔اے کاش یہ 14 اگست ہمیں یہ باور کرانے کا سبب بن جائے کہ ہمارے یہ پانچ بنیادی نظام ہمارے ہی مرتب شدہ ہیں اور کیا یہی طرز ہم اپنی آنے والی نسلوں کے لیے چھوڑ کر جارہے ہیں!

تمام کمزوریوں کے باوجود ایک اصول ہمیشہ ذہن نشین رکھنا ہے کہ کبھی بھی ایک غلطی دوسری غلطی کے صحیح ہونے کا جواز نہیں ہوسکتی اس لیے ضروری ہے کہ کسی کے غلط عمل کو دیکھ کر"میں" غلط نہ کروں۔میرا ملک ہے،میری قوم ہے،میرا قانون ہے،میرے ادارے ہیں "میں" ملک وقوم کی ترقی کے لیے ہمیشہ کوشاں ہوں۔

تمام اہل وطن کو یوم آزادی مبارک!

صاحبزادہ عبدالقدیر اعوان

> ذکر کا فائدہ یہ ہے کہ بندے کو اپنے کچھ نہ ہونے اور اللہ کے سب کچھ ہونے کا احساس ہو جائے۔
> ذاتِ باری کے معاملے میں اپنے نہ ہونے کا ادراک ہو جائے کہ میں کچھ بھی نہیں ہوں سب کچھ وہ ہے۔
>
> شیخ المکرم مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی

طریقۂ ذکر

ذکر شروع کرنے سے پہلے یہ تسبیحات پڑھیں: سُبْحَانَ اللّٰہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ وَلَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ ○ اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَیْہِ ○ اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ ○ اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○ پھر ذکر شروع کر دیں طریقہ نیچے درج ہے۔

دیئے گئے نقشے میں انسان کے سینے، ماتھے اور جسم پر لطائف کے مقامات بتائے گئے ہیں جن کا خیال کر کے ذکر کیا جاتا ہے۔

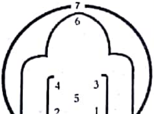

پہلا لطیفہ: مکمل یکسوئی اور توجہ کے ساتھ ہر سانس کی آمد و رفت پر اس طرح گرفت ہو کہ ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات ''اللہ'' دل کی گہرائیوں میں اترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ ''ھُو'' کی چوٹ قلب پر لگے۔ دوسرے لطیفے: کو کرتے وقت ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات ''اللہ'' دل کی گہرائیوں میں اترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ ''ھُو'' کی چوٹ دوسرے لطیفے پر لگے۔ اسی طرح تیسرے چوتھے اور پانچویں لطیفہ کو کرتے وقت ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اللہ دل میں اترے اور خارج ہونے والی سانس کے ساتھ ''ھُو'' کی چوٹ اس لطیفہ پر لگے جو کیا جا رہا ہو۔

چھٹا لطیفہ: ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات ''اللہ'' دل کی گہرائیوں میں اترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ ''ھُو'' کا شعلہ پیشانی سے نکلے۔

ساتواں لطیفہ: ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات ''اللہ'' دل کی گہرائیوں میں اترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ ''ھُو'' کا شعلہ پورے بدن کے ایک ایک مسام اور خلیہ سے باہر نکلے۔

ساتویں لطیفہ کے بعد پھر پہلا لطیفہ کیا جاتا ہے جس کا طریقہ سب سے پہلے بیان ہوا ہے۔ ذکر کے دوران سانس تیزی اور قوت سے لیا جائے اور ساتھ ہی جسم کی حرکت جو سانس کے تیز عمل کے ساتھ خود بخود شروع ہو جاتی ہے۔ پورا خیال رہے کہ کوئی سانس اللہ کے ذکر سے خالی نہ ہو۔ توجہ قلب پر مرکوز اور ذکر کا تسلسل ٹوٹنے نہ پائے۔

رابطہ: لطائف کے بعد رابطہ کیا جاتا ہے جس کا طریقہ یہ ہے۔ کہ رابطہ کے لئے سانس کی رفتار کو طبعی انداز پر لا کر ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات ''اللہ'' قلب کی گہرائیوں میں اترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ ''ھُو'' کی چوٹ عرش عظیم سے جا ٹکرائے۔ ذکر کے بعد دعا مانگیں اور آخر میں شجرہ سلسلہ عالیہ پڑھیں جو اگلے صفحہ پر درج ہے۔

شجرہ مبارک

سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ O

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ O

الٰہی بحرمتِ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

الٰہی بحرمتِ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

الٰہی بحرمتِ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بحرمتِ حضرت داوٗد طائی رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بحرمتِ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بحرمتِ حضرت خواجہ عبید اللہ احرار رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بحرمتِ حضرت مولانا عبدالرحمٰن جامی رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بحرمتِ ابوایوب حضرت محمد صالح رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بحرمتِ سلطان العارفین حضرت خواجہ اللہ دین مدنی رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بحرمتِ حضرت مولانا عبدالرحیم رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بحرمتِ قلزمِ فیوضات حضرت العلاّم مولانا اللہ یار خان رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بحرمتِ ختم خواجگان خاتمۂ مَن وخاتمۂ حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہٗ العالی بخیر گردان

وَصَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِہٖ مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی آلِہٖ وَصَحْبِہٖ اَجْمَعِیْنَ۔

بِرَحْمَتِكَ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ۔

کلامِ شیخ

شیخ المکرم شاعری فرماتے ہیں ان کے دو تخلص ہیں سیمابؔ اور فقیرؔ۔ شعری مجموعے درج ذیل ہیں۔

- گردِ سفر
- متاعِ فقیر
- آس جزیرہ
- کون سی ایسی بات ہوئی ہے
- دل دروازہ
- نشانِ منزل
- سوچ سمندر
- دیدۂ تر

نعت

منتخب اشعار

ملی ہیں خوبیاں انسان کو مدینے سے
چرائی پھول نے خوشبو وہاں پسینے سے

چمن میں فکر کے مثلِ بہار وہ آئے
سجی ہے رونقِ بزمِ جہاں قرینے سے

بچھڑ گئے تھے لوگ ذات سے اپنی
ملی شناخت یہ ربِّ جہاں مدینے سے

ہے تُو ہی ہادئ برحق، تُو رہبر صادق
دکھایا حاصلِ کون و مکاں مدینے سے

کہاں کرے گا کوئی اب تلاش نعمت کو
کہ بانٹے جاتے ہیں دونوں جہاں مدینے سے

درِ حبیب پہ سیمابؔ کو تلاش تو کر
وہ اور جائے گا اُٹھ کر کہاں مدینے سے

حمد و نعت سے انتخاب

اقوالِ شیخ

1۔انصاف تو یہ ہے کہ جس نے جرم کیا ہے وہ اس جرم کی سزا پائے لیکن اس کے ساتھ بے گناہوں اور معصوموں کو تہہ تیغ کر دینا انصاف نہیں ہے۔ظلم کے مقابلے میں اگر ظلم کیا جائے تو ظلم ہی بڑھے گا۔ظلم کے مقابلے میں عدل کیا جائے تو ظلم ختم ہو جائے گا۔(اکرم التفاسیر،جلد:2،صفحہ:111)

2۔اگر حضور ﷺ کی غلامی اور اتباع نصیب نہیں، اللہ کے ساتھ معاملہ درست نہیں تو پھر دنیا کی حکومت بھی مل جائے تو کیا فائدہ، وہ بھی چلی جائے گی، ختم ہو جائے گی۔(اکرم التفاسیر،جلد:3،ص:310)

3۔یہ بڑی یاد رکھنے کی بات ہے کہ عظمت، نبیؑ کو ہی ملتی ہے اور نبیؑ ہی کے واسطے سے یہ عظمت، نبیؑ کے متبعین کو عطا ہوتی ہے۔(اکرم التفاسیر،جلد:3،ص:310)

4۔اللہ کریم سے روگردانی کا واحد سبب دنیا ہی ہوتی ہے لیکن ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ جسے عظمتِ الٰہی پہ یقین ہوا اُسے دنیا ڈگمگا نہیں سکتی، اُس کے پاؤں میں لغزش پیدا نہیں کر سکتی۔اُس کی دیانت و امانت کو مجروح نہیں کر سکتی۔

(اکرم التفاسیر،جلد:3،ص:312)

5۔دنیادار جب برائی پر اتر آتا ہے تو اپنی برائی کے لیے جواز پیدا کرتا ہے۔(اکرم التفاسیر،جلد:3،ص:312)۔

6۔رزقِ کریم سے وہ رزق مراد ہے جو نصیب ہو تو دل کو سکون ہو قلب پریشان نہ ہو۔(کنزالطالبین،ص:266)

7۔عقائد اور اعمال کی بنیاد اللہ کی کتاب ہے جو سب مسلمانوں کے لیے برابر کی برکات کی حامل ہے۔

(کنزالطالبین،ص:236)

8۔اللہ تعالیٰ درست فیصلہ کرنے کی توفیق اُسے دیتا ہے، اپنی طرف اُسے ہدایت دیتا ہے جس کے دل میں اس کی طرف انابت پیدا ہوتی ہے۔(اکرم التفاسیر،جلد:3،ص:90)

9۔اسراف وہ ہوتا ہے جہاں محض تفنّنِ طبع کے لیے یا عیاشی کے لیے خرچ کیا جائے اور اُس کا کوئی فائدہ اپنی ذات کو ہو نہ اللہ کی مخلوق کو ہو۔(اکرم التفاسیر،جلد:3،ص:99)

10۔یہ مت بھولیئے کہ محض ذکر کرنے کے بعد بندہ فارغ ہو گیا، نہیں، ذاکرین کی زندگی میں مثبت تبدیلی کا آغاز ذکر کے ثمرات میں سے ہے۔(کنزالطالبین،ص:34)

بیان 8 جولائی 2012ء

معرفتِ الٰہی

الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ○ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی حَبِیْبِہٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ ○ اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

اَلَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ قِیٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِہِمْ وَیَتَفَکَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ ھٰذَا بَاطِلًا ۚ سُبْحٰنَکَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ (سورۃ آل عمران: 191)

اَللّٰھُمَّ سُبْحٰنَکَ لَاعِلْمَ لَنَا اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا اِنَّکَ اَنْتَ الْعَلِیْمُ الْحَکِیْمُ ○ مَوْلَایَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّھِمٖ۔

اللہ کریم کی بنائی ہوئی کائنات میں انسان ایک منفرد اکائی ہے۔ اگرچہ مکلف مخلوق چار طرح کی ہے۔ مکلف اُسے کہتے ہیں جسے اللہ نے نیکی اور بدی کا شعور بخشا ہے۔ بھلائی اور بُرائی کو جانتا ہے۔ اس مخلوق کو مکلّف کہتے ہیں۔ مکلّف سے مراد ہے کہ اُسے یہ تکلیف دی گئی ہے، اس بات کا پابند بنایا گیا ہے کہ وہ اللہ کی اطاعت کرے اور نافرمانی نہ کرے۔ اس میں چار طرح کی مخلوق ہے۔ فرشتے ہیں، فرشتے سراپا نیکی ہیں وہ کبھی گناہ نہیں کرتے۔ دوسرے شیاطین ہیں۔ شیاطین سراپا بُرائی ہیں کبھی نیکی نہیں کرتے۔ نیکی کی توفیق ابلیس سے سلب ہوگئی۔ جو بھی اس کا پیروکار بنتا ہے اس سے سلب ہو جاتی ہے، انسان ہو یا جن ہو۔ انسان بھی جو شیطان کا پیروکار بنتا ہے قرآن اُسے شیطان ہی کہتا ہے وَکَذٰلِکَ جَعَلْنَا لِکُلِّ نَبِیٍّ عَدُوًّا شَیٰطِیْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ (سورۃ الانعام: 112)

تیسری قسم کی مخلوق ہے جن، جنات کو نیکی اور بدی کا شعور بخشا گیا ہے۔ وہ سمجھتے ہیں نیکی کیا ہے؟ بُرائی کیا ہے؟ ان میں نیکی کے پیروکار بھی ہر عہد میں رہے۔ انبیاءؑ کے ساتھ ایمان لائے۔ اللہ کی اطاعت، حلال حرام کی پرواہ کرتے رہے۔ ان کے اپنے احکام ہیں ان کی اپنی غذا ہے۔ اُن کا اپنا طریقِ حصول ہے۔ وہ انسانوں سے مختلف ہیں۔ ان کا وجود ہی ایک انرجی سی ہے اور ان کی غذا مادّی نہیں ہوتی۔ وہ غذا سے انرجی حاصل کرتے ہیں۔ جیسے حدیث شریف میں ہے کہ گوبر سے استنجا نہ کیا جائے کہ اس میں جو غلّہ ہوتا ہے، جانور کھاتے ہیں پھر گوبر میں نکلتا ہے، وہ جنات کی خوراک ہے۔ اس سے مراد نہیں کہ وہ گوبر کھاتے ہیں مراد ہے کہ اس غلّے میں کچھ نہ کچھ انرجی بچ جاتی ہے۔ اس سے وہ انرجی حاصل کرتے ہیں۔ حلال گوشت جو ہم کھاتے ہیں، ہڈیاں پھینک دیتے ہیں، کچھ گوشت پھینک دیتے ہیں وہ بھی ان کی غذا ہے۔ لیکن یہ نہیں کہ وہ گوشت اور ہڈیاں کھاتے ہیں۔ ان میں جو انرجی ہوتی ہے قوت ہوتی ہے وہ حاصل کرتے ہیں۔ ان کا وجود ہی ایک انرجی ہے، اُسے انرجی چاہیے ہوتی ہے۔

قرآنِ حکیم میں یہ بات ارشاد فرمائی گئی کہ جو اللہ کی اطاعت کرے گا: وَیُجِرْکُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِیْمٍ (سورۃ الاحقاف: 31) اُسے دردناک عذاب سے نجات مل جائے گی۔ یہ کہیں نہیں ہے کہ اُسے جنت نصیب ہو جائے گی۔ اس لیے کہ جنت کے لیے ایک خاص استعداد چاہیے اور وہ ہے معرفتِ باری کی، عظمتِ الٰہی کو پہچاننے کی۔ یہ استعداد نصیب ہوتی ہے نورِ نبوت سے، اور انبیاءؑ صرف انسانوں میں ہوئے ہیں۔ جنات میں کوئی نبی نہیں ہوا۔ لہٰذا یہ شعور صرف انسانوں کو دیا گیا ہے۔ ہر بندہ میں اس کی استعداد مختلف ہوتی ہے۔ جو معرفت نبیؑ کی ہے

وہ غیر نبی کو نصیب نہیں ہوتی۔ جو صحابی کی ہے اس کا معیار اپنا ہے۔ تابعی کا معیار اپنا ہے، تبع تابعین کا اپنا ہے۔ عامۃ المسلمین کا معیار اپنا ہے۔ عالم کا معیار اپنا ہے۔ نہ جاننے والے کا معیار اپنا ہے۔ ایک نیک اور پارسا آدمی کا معیار اپنا ہے۔ ایک بدکار کا معیار اپنا ہے۔ مانتا وہ بھی اللہ کو ہے لیکن کیفیت دونوں کی الگ الگ ہوتی ہے۔ انسان کو اسی لیے اشرف المخلوقات قرار دیا گیا کہ اسے معرفتِ الٰہی کا شعور بخشا گیا اور یہ اِس کا بہت بڑا احسان عظیم ہے۔ انسان ہونا بہت بڑا شرف ہے۔ انسان کی فطرت میں ہے، آپ ظاہری طور پر بھی دیکھ لیں، انسان ظاہری علوم حاصل کرسکتا ہے لیکن کیا ہر انسان حاصل کر لیتا ہے؟ نہیں، جو اس استعداد پر محنت کرتا ہے، مشقت کرتا ہے اساتذہ سے حاصل کرتا ہے اور جو عمریں لگاتا ہے وہ علم حاصل کر لیتا ہے۔ جو اس طرف متوجہ نہیں ہوتا وہ ویسا ہی رہ جاتا ہے۔ دنیا میں بے شمار فنون ہیں ہر فن کو حاصل کرنا پڑتا ہے۔ ایک آدمی بہت بڑا ماہر سائنسدان ہوسکتا ہے، بڑا ماہر طبیب ہوسکتا ہے، بہت بڑا عالم ہوسکتا ہے، مجتہد ہوسکتا ہے۔ مُحدّث ہوسکتا ہے، فقیہہ ہوسکتا ہے، مفسر بن سکتا ہے۔ لیکن گاڑی چلانا ایک الگ فن ہے۔ وہ ڈرائیورنگ سیکھے گا تو اُسے گاڑی چلانا آئے گا۔ ڈرائیورنگ نہیں سیکھے گا تو اس کا بڑا عالم ہونا یا بڑا سائنسدان ہونا یا بڑا حکیم ہونا یا طبیب ہونا یا بڑا ڈاکٹر ہونا اُسے گاڑی چلانا نہیں سکھائے گا۔ کیونکہ یہ ایک الگ فن ہے یہ سیکھنا پڑے گا۔ اب یہ جو استعداد دی گئی ہے اس میں حیات تو نورِ ایمان سے پیدا ہوتی ہے۔ ہم تو اس بندے کو مردہ سمجھتے ہیں جس کی روح پرواز کر گئی وہ مر گیا۔ قرآنِ کریم کی اصطلاح میں جس میں نورِ ایمان نہ ہو اُسے مردہ تصور کیا جاتا ہے۔ جیسے ایک عربی شاعر نے کہا تھا کہ

اجسامهم قبل القبور قبورهم

قبر میں جانے سے پہلے ان کے وجود ان کی ارواح کی قبریں بن گئی ہیں۔ یہ چلتی پھرتی قبریں ہیں جن میں نورِ ایمان نہیں ہے۔ نورِ ایمان نصیب ہوجائے تو پھر اس کو جلا بخشنے کے لیے، اس میں مزید ترقی کرنے کے لیے، قربِ الٰہی کو پانے کے لیے، معرفتِ الٰہی کو پانے کے لیے اسی طرح محنت کرنا پڑتی ہے جس طرح فنونِ ظاہری کو سیکھنے کے لیے ہم محنت کرتے ہیں۔ نظامِ قدرت ہے۔ اس کا طریقہ قرآنِ کریم نے بتایا۔ جو غالباً قرآن میں بالواسطہ اور بلاواسطہ کوئی آٹھ سو مرتبہ کے قریب دہرایا گیا ہے۔

قرآنِ کریم دنیا کی مختصر ترین کتاب ہے جس نے تمام انسانی ضرورتوں کو تمام زمانوں کے لیے احاطہ کرلیا ہے۔ عائلی قوانین ہوں یا معاشی قوانین یا سیاسی، کیسی عجیب بات ہے کہ بڑی بڑی کتابیں ان کا احاطہ نہیں کرسکتیں۔ ایک طب کے موضوع کو لیں تو لائبریریاں بھری پڑی ہیں۔ کوئی یہ دعویٰ نہیں کرسکتا کہ طب کی ساری ضرورتیں ان میں آگئی ہیں اور ان میں کوئی اضافہ نہیں ہوگا۔ کسی موضوع کو لے لیں۔ سیاست کو لے لیں، معاملات یا معیشت کو لے لیں۔ زندگی کا کوئی موضوع لیں تو لائبریریاں بھر گئیں ہیں۔ لاکھوں کتب ہیں لیکن اس میں مزید تحقیق اور اضافے کی گنجائش موجود ہے۔ اصلاح کی گنجائش موجود ہے۔ ایک کتاب، واحد ایک کتاب قرآنِ مجید ہے جو زندگی کے ہر سوال کا بھرپور جواب دیتی ہے اور اپنے نزول سے لے کر قیامت تک کے لیے، زمانہ لاکھ کروٹیں بدلے۔ لاکھ تبدیلیاں آئیں۔ کتنا سادہ زمانہ تھا جب نزولِ قرآنِ کریم ہوا۔ اور کتنی دور نکل چکا ہے زمانہ آج کے دور میں، لیکن اعجازِ قرآن یہ ہے کہ جس طرح ہر سوال کا جواب اس زمانے میں موجود تھا آج کے زمانے میں بھی موجود ہے اور قیامت تک رہے گا۔ بعثت نبوی ﷺ نے نبوت کی تکمیل کر دی۔ جسے ہم عموماً ختم نبوت سے جانتے ہیں اور جس پہ بڑی بحثیں ہوتی ہیں۔ میں اللہ کی عطا سے یہ سمجھتا ہوں کہ اگر ہم اسے اس انداز سے لیں کہ نبوت مکمل ہوگئی مزید کسی نبی کی گنجائش ہی نہیں رہی، اس کی تکمیل ہوگئی تو عام آدمی کے لیے سمجھنا زیادہ آسان ہوجائے گا۔ خود نبی کریم ﷺ کی حدیثِ مبارک بھی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ نبوت ایک عالی شان محل ہے۔ اگر اسے خوبصورت عمارت سے تشبیہ دیں تو زائر کوئی آتا ہے وہ اس کے اردگرد پھرتا ہے۔ اس میں ایک سِل کی جگہ خالی ہے۔ تو وہ دیکھ کے کہتا ہے کہ

بہت لاجواب عمارت ہے لیکن اس میں یہ ایک سِل کی جگہ خالی ہے۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں فانا مُوْضِعُ اللَّبِنَةِ۔۔۔(المصنف) وہ سِل میں ہوں۔ میری بعثت سے نبوت کی عمارت مکمل ہوگئی، جب ایک عمارت مکمل ہوجاتی ہے تو اس میں کوئی زائد اینٹ لگائیں تو وہ بدنمائی کا سبب بنتی ہے اس کی گنجائش نہیں ہوتی۔ تو کسی نئے نبی کی ضرورت ہی باقی نہ رہی۔ کتابیں پہلے بھی آسمان سے اتریں، صحائف بھی اترے۔ انبیاءؑ پر وحی بھی آتی رہی۔ مختلف اُمتوں میں احکام بدلتے رہے۔ حلال وحرام بھی بدلتے رہے۔ جائز وناجائز بھی بدلتے رہے۔ طریقۂ عبادت بھی بدلتے رہے۔ نمازیں بھی بدلتی رہیں۔ روزے، روزِ اوّل سے آدم علیہ السلام سے لے کر آج تک فرض ہیں۔ لیکن ان کی نوعیت بدلتی رہی۔ مثلاً ایک ہی بات لے لیں کہ پہلی اُمتوں میں روزہ اس طرح سے ہوتا تھا کہ آپ نے روزہ افطار کیا جب تک جاگتے رہے کھاتے پیتے رہے جب سو گئے روزہ شروع ہوگیا۔ پھر اگلی افطار تک روزہ ہے۔ اس اُمت میں اللہ نے یہ آسانی فرمادی کہ سوجائیں بے شک، لیکن سحری سے پہلے اُٹھ کر کھا پی لیں۔ سحری کے وقت روزہ بند ہوجائے گا۔

اس طرح کی تبدیلیاں احکام میں آتی رہیں اور یاد رکھیں کہ احکام از قسم حکم ہوتے ہیں۔ حکم میں وقت کے ساتھ، ضرورت کے مطابق تبدیلی ہوجاتی ہے۔ پہلے وقت کی جو ضرورت تھی اس کے لیے پہلا حکم صحیح ہوتا ہے۔ حالات بدل جائیں نئی ضرورت پیدا ہوجائے، اس کے لیے دوسرا حکم صحیح ہوتا ہے۔ عقائد از قسم خبر ہیں۔ خبر میں تبدیلی نہیں ہوتی۔ اگر خبر میں تبدیلی ہوجائے تو پھر دونوں خبریں سچ نہیں ہوتیں یا پہلی سچ تھی یا بعد والی سچ ہے۔ لہٰذا عقائد میں آدم علیہ السلام سے لے کر حضور اکرم ﷺ تک کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔ ہر نبیؑ نے لا الٰہ الا اللہ کی دعوت دی۔ احکام میں تبدیلیاں ہوتی رہیں۔ جب قرآنِ کریم نازل ہوا تو کیسی عجیب بات ہے احکام بھی حتمی نازل کردیئے گئے۔ اب قیامت تک احکام بھی تبدیل نہیں ہوں گے۔ زمانے میں تبدیلیاں ہوں گی۔ زمانے میں کیا تبدیلی؟ ہم کہتے ہیں آج زمانہ بہت بدل گیا ہے۔ کیا تبدیلی ہوئی؟ وسائل اور ذرائع بدلے ہیں means بدلے ہیں۔ انسانی ضرورتیں نہیں بدلیں۔ انسان کو تب بھی بھوک لگتی تھی آج بھی بھوک لگتی ہے۔ انسان کو تب بھی پیاس لگتی تھی اُسے آج بھی پیاس لگتی ہے۔ انسان کو تب بھی لباس کی ضرورت تھی انسان کو آج بھی لباس کی ضرورت ہے۔ انسان کو تب بھی روزی کی ضرورت تھی اُسے آج بھی روزی کی ضرورت ہے۔ انسان کو تب بھی سفر کرنا پڑتا تھا۔ انسان کو آج بھی سفر کرنا پڑتا ہے۔ ضرورتیں نہیں بدلیں۔ وہی انسان ہے وہی اُس کی ضروریات ہیں۔ means بدل گئے ہیں۔ وسائل اور ذرائع بدل گئے ہیں۔ وسائل اور ذرائع بدلنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا، جب ضرورت وہی رہتی ہے۔ پھر اقوامِ عالم کے مزاج مختلف، غذائیں مختلف۔ میں بنگلہ دیش گیا، دو تین دفعہ جانا نصیب ہوا۔ اب ہمارے ہاں یہ ہے کہ ہماری main غذا اناج ہے، روٹی۔ کوئی بیمار ہوجائے تو ہم اسے کہتے ہیں کہ اِسے آج چاول اُبال کے دے دو کہ یہ روٹی ہضم نہیں کر پائے گا۔ اِسے پھر بخار ہوجائے گا۔ وہاں ان کی main غذا چاول ہے جب کوئی بیمار ہوجائے تو کہتے ہیں اسے آج پھلکا بنا دو یہ غذا ہضم نہیں کر پائے گا یعنی اتنا تفاوت ہے۔ علاقے کی دوری، لوگوں کے مزاج، اسی طرح مغرب کا اپنا مزاج ہے۔

قرآنِ کریم نے احکام میں ایسا راستہ اختیار فرمایا ہے جو ہر ملک میں، ہر موسم میں ہر قوم کے لیے یکساں مفید ہے اور قابلِ عمل ہے۔ ہم چاہیں کہ امریکہ کا قانون بہت اچھا ہے لیکن اُسے پاکستان پر لاگو کریں تو بہت مشکل ہے۔ ہم سمجھیں کہ پاکستان کا قانون بہت اچھا ہے اِسے ہندوستان پر لاگو کیا جائے تو مشکل ہے۔ ہم سمجھیں چین کا طریقۂ حیات یا ملکی قانون جو ہے بہت بہتر ہے تو اُسے یہاں لاگو کردیں تو ناممکن ہے۔ ہر ایک کا قانون اپنے مزاج اپنی ضروریات، اپنے موسموں، اپنے طریقۂ کار، اپنی سوچ، اپنی فکر کو دیکھ کر بنایا جاتا ہے۔ قرآنِ کریم نے ایسا خوبصورت قانون دیا ہے جو ہر ملک میں، ہر موسم میں، ہر قوم میں، ہر مزاج میں یکساں قابلِ عمل ہے۔ یعنی کسی قانون کی جو خوبی ہوتی ہے وہ

یہ ہوتی ہے کہ وہ قابلِ عمل ہو اور اتنا ہی مفید ہو جتنا قابلِ عمل ہے۔ یہ دو باتیں قانون کی جان ہوتی ہیں۔ ہماری اسمبلیاں قوانین بناتی ہیں۔ ہماری اسمبلیاں تو خیر بادشاہ اسمبلیاں ہیں اس میں تو جعلی سندیں بھی چل جاتی ہیں، اَن پڑھ بھی چل جاتے ہیں۔ دوسرے ممالک کی جو اسمبلیاں بنتی ہیں وہ پڑھے لکھے، دانشور، سمجھدار لوگوں کی ہوتی ہیں۔ یعنی وہ لوگ Cream of the nation ہوتے ہیں۔ قوم کے بہت اعلیٰ قسم کے، سلجھے ہوئے، سمجھدار، پڑھے لکھے لوگ وہ ایک قانون بناتے ہیں۔ جب وہ قانون بن کر نافذ ہونا ہوتا ہے تو پھر اسمبلی کے اجلاس میں پیش ہوتا ہے، وہ بحث کرتے ہیں اور فیصلہ دیتے ہیں کہ جناب اس میں تو یہ بھی خرابی آگئی، اس میں یہ کام ناقابلِ عمل ہے، اس کا یہ نقصان ہے۔ پھر اس میں ترمیمیں ہوتی ہیں اور ترمیم کرنے کے بعد بھی کوئی یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ اب یہ مکمل ہو گیا۔ وہی دانشور جو بناتے ہیں، کوئی دوسرا ترمیم نہیں کرتا، وہی سر جوڑ کر بیٹھ جاتے ہیں کہ اس میں تو یہ یہ کمی رہ گئی ہے، اس پر تو یہاں عمل مشکل ہو گیا۔ قرآنِ کریم نے جو قانون دیا، نزولِ قرآن سے لے کر قیامت تک، اس میں ترمیم کی ضرورت ہی پیش نہیں آتی اور روئے زمین کے سارے ممالک میں، ساری اقوام میں سارے موسموں میں قابلِ عمل ہے۔ کوئی عمل نہ کرے تو اس کی اپنی بدنصیبی ہے۔

ہمارا تجربہ مختلف ہے۔ ہمارے ملک میں محکمے بنتے ہیں، قوانین بنتے ہیں، ادارے بنتے ہیں پھر وہ کہتے ہیں میں بھی آ گیا ہوں، دوسرے ممالک میں ادارے بنتے ہیں، قانون بنتے ہیں لوگوں کی سہولت کے لیے اور جتنے ادارے بنتے ہیں اتنی زیادہ سہولتیں پہنچتی ہیں۔ میں نے کینیڈا میں ایک دوست سے پوچھا جس کا ایک جنرل سٹور تھا اور اس میں میڈیکل کا شعبہ بھی تھا۔ اتفاق سے وہ چیک کرنے کو آ گئے میڈیکل کے شعبے کو۔ اُن ملکوں میں بغیر ڈاکٹر کی چٹ کے آپ ایک اسپرو کی گولی بھی نہیں لے سکتے۔ ہمارے ہاں کی طرح نہیں کہ یہاں زہر بھی خرید لو، امرت بھی خرید لو، کوئی پوچھنے والا نہیں اور وہاں اس کا ریکارڈ رہتا ہے اور کہیں کوئی حادثہ ہو تو پتا چل جاتا ہے کہ فلاں بندے نے فلاں وقت فلاں سٹور سے فلاں چیز خریدی تھی۔ تو میں نے کہا کہ یار تمہارا آج کا دن تو گیا یہ چیکنگ والے آ گئے اور ایک ایک بوتل چیک کریں گے اور جو بک گئی ہے وہ دیکھیں گے۔ جو خریدی ہے وہ دیکھیں گے۔ کہنے لگا نہیں یہاں کچھ نہیں ہوگا۔ میں نے کہا کیا ہوگا؟ کہنے لگا میں رجسٹر انہیں دے دوں گا اور وہ شعبہ ہے، یہ بیٹھ جائیں گے اور چیک کرتے رہیں گے۔ کہیں انہیں کسی بات کی سمجھ نہ آئی تو مجھ سے پوچھ لیں گے۔ اگر ٹھیک ہے سمجھ آ گئی تو چیک کر کے دستخط کر کے چلے جائیں گے، میرے لیے کوئی پرابلم نہیں ہے۔ مجھے بڑی حیرت ہوئی کہ ہمارے ہاں جب یہ لوگ آتے ہیں تو ان کے کھانے کے لیے مرغے پکائے جاتے ہیں، اُن کی فیس دینے کا اور ان کو پیسے دینے کا اہتمام ہوتا ہے اس کے باوجود بھی اعتراض لگا جاتے ہیں۔ وہ کہنے لگا کہ جناب یہاں تو یہ عالم ہے کہ ابھی میری ٹیلی فون لائن اگر خراب ہو جائے تو میں ساتھ والے دوست سے کہوں گا وہ محکمہ ٹیلی فون کو فون کرے گا۔ یہ ان کی ذمہ داری ہے Within no time جتنا جلدی ہو سکا وہ آئیں گے ٹھیک کر کے جائیں گے۔ بجلی میں نقص آ گیا ایک فون کروں گا، محکمہ آئے گا ٹھیک کر کے جائے گا۔ یہاں محکمے سہولت کے لیے بنتے ہیں۔ تو قانون کی خوبی یہ ہوتی ہے کہ جن لوگوں پر اُسے نافذ کیا جائے، اُن کے لیے آسانیاں پیدا کرے۔ زندگی میں حسن پیدا کرے اُن کا حق ضائع نہ ہو نہ وہ دوسرے کا حق مار سکیں۔ یہ زندگی کا حسن ہے اور اس میں آسانی ہے کہ ہر بندہ اپنا حق آسانی سے لے لے۔ دوسرے کے حق میں مداخلت نہ کرے۔

قرآنِ کریم نے یہ طے کر دیا ہے کہ ہر فرد کا حق کیا ہے اور اُسے لینے کا طریقہ اور سلیقہ کیا ہے اور قیامت تک کے لیے متعین کر دیا۔ جب یہ سارے مادی طریقے بنا دیئے تو جو اصل کام انسان کی فضیلت کا اور اس کے بہترین مخلوق ہونے کا اور اشرف المخلوقات ہونے کا تھا وہ تو معرفتِ الٰہی تھا۔ اس کا سلیقہ بھی ضرور بتایا ہوگا۔ وہ بتایا اور اس مختصر ترین کتاب نے پوری دنیا کے بسنے والوں کی قیامت تک کے لیے ضرورتوں کو مکمل کر دیا اور ہر سوال کا جواب دے دیا۔ اب کوئی نہ سمجھ سکے

تو یہ الگ بات ہے۔ کوئی اَن پڑھ کسی جگہ بیٹھا تو وہاں اخبار پڑے تھے۔ اس نے اخبار اٹھالیا لوگوں پر رعب ڈالنے کے لیے کہ میں بھی پڑھا لکھا ہوں۔ اخبار جو پکڑا ہوا تھا اُلٹا تھا۔ اشتہار تھا کسی ٹرک کمپنی کا تو کسی نے پوچھا، کسی نے دیکھا کہ اس نے الٹا اخبار پکڑا ہوا ہے، تو پوچھا بھئی کوئی خبر ہمیں بھی سناؤ، کیا پڑھ رہے ہو؟ کہنے لگا اور تو کوئی خاص خبر نہیں ایک ٹرک الٹ گیا ہے۔ وہ پکڑا ہوا الٹا تھا تو ٹرک اُلٹا نظر آرہا تھا۔ اب قرآن کو کوئی اس طرح پڑھے اور الزام قرآن کو دے تو یہ تو مناسب نہیں ہے۔ لیکن قرآن کو اللہ کی کتاب سمجھ کر پڑھے تو ہر سوال کا جواب ہے۔ میاں بیوی کے جھگڑے کا جواب ہے کہ اس کا کیا سلیقہ اور طریقہ اختیار کیا جائے۔ نہ سلجھ سکے تو جدائی کا راستہ کیا ہے۔ دو بندوں کو میاں بیوی کے رشتہ ازدواج میں منتقل کرنے کا طریقہ کیا ہے۔ پھر کیا ہے؟ تو میاں پر کیا حقوق ہیں؟ بیوی پر کیا حقوق ہیں؟ میاں کے فرائض کیا ہیں؟ بیوی کے فرائض کیا ہیں؟ اولاد کی تربیت کیسے کرنی ہے۔ گھر سے، فرد سے لے کر حکمرانی تک سارے اسالیب سکھا دیئے ہیں۔ تو جو سب سے ضروری موضوع تھا تو اُسے کیوں چھوڑتا۔ اختصار اور مختصر ترین کتاب ہونے کے باوجود اس شعبے میں بلاواسطہ غالباً 32 یا 35 مرتبہ ذکر کا حکم ہے اور بالواسطہ کوئی پونے آٹھ سو کے قریب آیات ہیں جو ذکر کا حکم دیتی ہیں۔ اللہ کا ذکر کرو۔ اللہ کے نام کو دہراؤ۔ وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ (المزمل: 8) اللہ کے اسم ذات، اللہ کے نام اللہ، اللہ اللہ کو دہراتے جاؤ۔ ظاہر ہے جو قرآن کو پڑھے گا مان کر، اس کا رشتہ قرآن سے پہلے نبی ﷺ سے استوار ہوگا۔ اب یہ جو ذکر کرے گا یہ برکاتِ نبوت کے حصول کا سبب بن جائے گا۔ اور جوں جوں اس کا سینہ روشن ہوگا توں توں اس کو معرفتِ الٰہی کی سمجھ آتی چلی جائے گی اور یہ حاصلِ حیات ہے۔ اس کی تیاری کے لیے پوری زندگی کا نصاب ہے۔ حلال روزی کمائیں، سچ بولیں دیانتداری سے رہیں۔ تمام امور میں شریعت کی پابندی کریں، نماز ادا کریں، زکوٰۃ دیں، روزہ رکھیں، حج کریں۔ احکامِ شریعت پر عمل کریں اس سے کیا ہوگا؟ اس سے آپ کے دل کی حیات مضبوط ہوگی۔ اس کی صحت درست ہوگی۔ وہ کام کرنے کے قابل ہوگا۔ اب اسے کام کیا کرنا ہے؟ اسے کام کرنا ہے اللہ کو یاد کرنے کا، اللہ کے نام کی تکرار کا۔ اس لیے فرمایا: الَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ (سورۃ آل عمران: 191)۔۔۔ وہ لوگ جو کھڑے بیٹھے، لیٹے ہر حال میں ذکر سے غافل نہیں ہوتے۔ اللہ اللہ کرتے ہی رہتے ہیں، اس اللہ اللہ کا حاصل یہ ہوتا ہے: وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ (سورۃ آل عمران: 191)۔۔۔ پھر وہ مخلوق میں تفکر کرتے ہیں۔ کس نے بنائی، کیوں بنائی؟ اس کا ultimate result کیا ہے؟ اس کا ماحاصل کیا ہے، نتیجہ کیا ہوگا؟ اور یاد رہے تفکر ہمیشہ صفاتِ الٰہی میں کیا جاتا ہے، ذاتِ الٰہی میں نہیں۔ انسان کے بس کی بات نہیں کہ وہ اللہ کی ذات کے بارے سوچنا شروع کردے۔ یہ انسان کے علوم اور استعداد سے بالاتر بات ہے۔ اللہ کو پہچاننا ہے اس کی صفات کے ساتھ، تو تفکر صفات میں ہوتا ہے: وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ (سورۃ آل عمران: 191)۔۔۔ کائنات کی تخلیق میں تفکر کرے گا خالق کی عظمت اس سے ہویدا ہوتی چلی جائے گی۔ اس کا وسیلہ بنایا نبی کریم ﷺ کو۔ اب صحابہؓ سارے صحابہؓ ہیں اُن میں جو عام صحابیؓ ہے، اگر ساری دنیا کی ولایت بھی جمع کی جائے تو وہ مل کر بھی ان کی خاکِ پا کو نہیں پہنچتی۔ لیکن اس کے باوجود ان میں مدارج ہیں۔ سب اچھے ہیں۔

ہر گلہائے رنگِ بوئے دیگر است

لیکن بعض اچھوں میں بھی بہت ہی اچھے ہیں۔ اب ہر بندہ ابوبکر صدیقؓ تو نہ بن سکا۔ ہر بندہ فاروق اعظمؓ تو نہ بن سکا، ہر بندہ عثمان غنیؓ تو نہیں ہے۔ ہر بندہ علی المرتضیٰؓ یا خلفائے راشدین میں شامل تو نہیں ہے۔ اپنے اپنے مدارج ہیں۔ سب اچھے ہیں، لیکن بعض اچھوں میں بہت اچھے ہیں۔ یہ جو بہت اچھے ہیں انہیں کیا دولت ملی؟ ابوبکر صدیقؓ کیوں سب پر سبقت لے گئے؟ اس لیے کہ وہ ظاہری، بدنی، مالی طور پر بھی سب سے زیادہ نبی کریم ﷺ کے قریب تھے اور قلبی طور پر بھی سب سے قریب تھے۔ ہجرت کا واقعہ، مورخین نے بڑی شرح وبسط سے سیرت میں بھی لکھا ہے۔

تاریخ میں لکھا ہے۔ ایک تاریخ لکھی تھی ایک شیعہ عالم نے علامہ باذل ایرانی، اس تاریخ کا نام ہے "حملہ حیدری"۔ اب وہ کتاب بڑے عرصے سے نایاب ہے بلکہ اور بدل کر بعض واقعات کو تبدیل کر کے اسی نام سے کتابیں چھاپ دی گئی ہیں انہی مولانا کے نام سے جو عام مارکیٹ میں ملتی ہیں۔ اصل نسخہ جو ہے وہ نایاب ہے۔ الحمدللہ! ہماری لائبریری میں اصل نسخہ موجود ہے۔ حضرت رحمۃ اللہ کے پاس تھا اور اب بھی موجود ہے۔ اس میں وہ واقعۂ ہجرت لکھتے ہوئے کہتا ہے۔ بڑا لمبا واقعہ ہے، مختصری بات جو میں کرنا چاہتا ہوں وہ کرتا ہوں کہ جب حضورِ اکرم ﷺ دراقدس سے نکلے، ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور دونوں ہستیاں وہاں سے نکلیں۔ تو علامہ باذل کہتا ہے۔

چوں رفتم بہ چندیں دامان دشت
قدوم فلک سایہ مجروح گشت

کہ جب پہاڑی پر تھوڑا سا سفر، جنگل میں تھوڑا سفر، دشت میں صحرا میں تھوڑا سا سفر حضور ﷺ نے کیا تو

قدوم فلک سایہ مجروح گشت

تو آپ کے پاؤں مبارک زخمی ہو گئے۔ یار! جوتا بھی پائے اقدس کو بوسے دیتا اور زمین اور پتھر بھی پائے اقدس کو چومنا شرف سمجھتے، زخمی کیوں کر دیا؟ اس کا اپنا نظام ہے۔

چوں رفتم بہ چندیں دامان دشت

اہل سنت کی تو ساری کتابوں میں ہے، اہل تشیع کے ہاں بھی علامہ باذل نے اس طرح اسے منظوم کیا ہے وہ آگے لکھتے ہیں۔

ابوبکر بآنگاں بدوشش گرفت

جب آپؐ کے قدوم مبارک زخمی ہو گئے تو ابوبکر صدیقؓ نے حضور ﷺ کو کندھے پر اٹھا لیا۔

ابوبکر بآنگاں بدوشش گرفت

ولے ایں حدیث است جائے نہ حفت

کہتا ہے لیکن یہ بات بندے کو حیران کر دیتی ہے، پریشان کرنے کے لیے کافی ہے، کیا۔

کہ درکس چناں قوت آمدید
کہ بار نبوت تواند کشید

کہ ایک بندے میں اتنی طاقت آ گئی کہ وہ نبوت کا بوجھ اٹھائے جا رہا ہے ثور کی طرف۔ اللہ نے ایک بندے کو اتنی طاقت دے دی یعنی ایک وقت ایسا بھی آیا کہ حضور ﷺ کے قدم مبارک سے زمین محروم تھی۔ زمین ابوبکرؓ کے پاؤں چوم رہی تھی اور ابوبکرؓ کے دوش پر حضور ﷺ سوار تھے تو کوئی دوسرا ایسا ہے؟

یعنی یہ کیفیت قربِ نبوّت سے ملی۔ حضور ﷺ نے ایک دفعہ فرمایا، جبکہ آپ ﷺ استراحت فرما رہے تھے اور آسمان کھلا اور صاف تھا، ستاروں سے بھرا ہوا۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ حبیبۂ حبیب کبریا کا اُمت پر بہت احسان ہے کہ بے پناہ مسائل اور بے پناہ ارشادات نبوی ﷺ ہیں جو اُن کی معرفت اُمت تک پہنچے۔ بلکہ خانگی امور کا بیشتر حصہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی وساطت سے اُمت تک پہنچا۔ انہوں نے ایک عجیب سا سوال کر دیا۔ انہوں نے پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلما، کسی کی نیکیاں ایسی بھی ہوں گی جیسے یہ آسمان ستاروں سے بھر گیا؟ میں بڑی دفعہ یہ سوچتا ہوں کہ کیا مقام ہے اس ہستی کا، بعثت عالی سے، نبی مبعوث ہونے سے لے کر وصال تک، ہر آن ہر لمحے ایک نیا سوال، اور اس کا صحیح ترین جواب، کبھی بیٹھ کر سوچنے گا۔ میں اکثر سوچتا ہوں کہ اللہ کیا عظمت دی تو نے، کہ کوئی علم نہیں جو حضور ﷺ کے علم میں نہیں ہے، حضور ﷺ نہیں جانتے کہ آنے والا کیا پوچھے گا۔ کوئی مطالعہ کر کے نہیں جلوہ افروز ہوتے۔ کسی کتاب کو دیکھ کر نہیں آتے، آنے والا سوال کرتا ہے، حضور ﷺ جواب ارشاد فرما دیتے ہیں اور جواب اتنا پکا ہوتا ہے کہ قیامت تک، اس سوال کا وہی جواب صحیح ہے۔ انہوں نے پوچھ لیا، عجیب بات تھی۔ یہ تو لوحِ محفوظ کی بات تھی، آگے کی بات تھی، عالمِ بالا کی بات تھی کہ کسی کی نیکیاں نامہ اعمال میں کتنی ہیں۔

آپ ﷺ نے ہلکی سی مسکراہٹ سے فرمایا، ہاں عمر فاروقؓ کی نیکیاں اور اعمال نامہ ایسا ہی ہے جیسا تم آسمان دیکھ رہی ہو۔ انہیں فوراً خیال گزرا کہ حضرت عمر فاروقؓ کی نیکیاں ایسی ہیں تو میرے والد کہاں ہیں، ابوبکرؓ کہاں ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا ابوبکرؓ کے وہ لمحات جو ثور کی تنہائیوں میں اسے میرے ساتھ نصیب ہوئے کائنات کی کوئی چیز ان کے مثل نہیں۔ وہ انہی کا حصہ ہیں۔ اب بات بھلا کہاں رہتی ہے۔ فاروق اعظمؓ کی بیٹی حفصہؓ بھی تو اسی گھر میں، حضور ﷺ کے گھر میں آپ کی اہلیہ مبارکہ ام المومنین تھیں۔ انہوں نے سنا، انہوں نے والد ماجد کو بتایا۔ جب فاروقِ اعظمؓ نے صبح سنا تو پہلے دوڑتے دوڑتے سیدنا ابوبکر صدیقؓ کے پاس گئے کہ اس سے پہلے کہ انہیں پتا چل جائے میں ان سے بات کرلوں۔ انہیں خوشخبری سنائی کہ نبی کریم ﷺ نے میری نیکیوں کے بارے یہ ارشاد فرمایا ہے کہ رات جس طرح صاف آسمان ستاروں سے بھرا ہے میرا اعمال نامہ اس طرح نیکیوں سے بھرا ہے۔ کہا ماشاء اللہ! حضور ﷺ نے فرمایا ہے برحق فرمایا ہے۔ آپ کو مبارک ہو۔ کہنے لگے میں مبارک لینے نہیں آیا۔ پھر کس لیے تشریف لائے ہیں؟ میں آیا ہوں کہ یہ ساری نیکیاں آپ لے لیں اور ثور کے چند لمحات مجھے دے دیں۔ انہوں نے فرمایا یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ کبھی قربِ محبوب بھی بیچا جاتا ہے؟ دنیا میں ہر شے بک سکتی ہے ہر شے خریدی جاسکتی ہے۔ ہر شے دی جاسکتی ہے، لی جاسکتی ہے لیکن قربِ محبوب کی کیفیات نہیں بکا کرتیں۔ یہ وہ دولت ہے جو اللہ دے تو نصیب ہوتی ہے۔ یہ خریدی نہیں جاسکتی۔ یہ نہیں ہوسکتا۔

میں کئی دفعہ سوچتا ہوں کہ ہمارے ہاں تو ایک دعوت پکا دو تو پچاس بندے جمع ہوجاتے ہیں۔ گوشت، حلوہ کھاتے ہیں سارا دن ہلتے جلتے رہتے ہیں، پڑھتے ہیں یا نہیں ہم تو دیکھتے ہیں ہلتے جلتے رہتے ہیں اور پھر کہتے ہیں پچاس قرآن بخش دیئے۔ میرا خیال ہے، سوچتا ہوں کبھی کبھی، میں بھی غلط ہوسکتا ہوں یہ ضروری نہیں ہے جو میں سوچتا ہوں وہی صحیح ہو، لیکن میں یہ سوچتا ہوں کہ شاید ان کے اس پڑھنے میں کوئی وزن نہیں ہے ورنہ یوں سستا نہ بیچتے۔ ایک پلیٹ پر نہ دیتے، اسی پلیٹ کے لیے آپ کسی سے دس روپے مانگ لیں دے دے گا۔ اسی پلیٹ کے پچاس روپے مانگ لیں وہ کہے گا ایک پلیٹ کے پچاس کیوں دوں، اُسے روپے کی قیمت کا پتا ہے۔ اُسے قرآن کی قیمت کا اندازہ ہوتا تو ایک پلیٹ پہ دیتا؟ میں سوچتا رہتا ہوں۔ میں سمجھتا ہوں انہوں نے ایکٹنگ کی ہے، بات کوئی نہیں۔ یہ جو ہم پنجابی میں جسے ونگار کہتے ہیں نا، جو مختلف لوگوں کو اکٹھا کر کے ایک کام کروا لیا اور ایک وقت کی روٹی دے دی۔ زمیندار کا بنا ٹوٹ جائے تو وہ ونگار کرتا ہے۔ آگئے بیل لے آئے اس میں نیچے مٹی پھینک کر بنا مرمت کر دیا انہیں حلوہ کھلا دیا، اس کا کام بھی ہوگیا۔ یہ جو ہم ونگار کر کے میت بخشواتے ہیں، میں سمجھتا ہوں اس میں بات کوئی نہیں بنتی۔ جس نیکی پر یقین ہو کہ یہ میری نیکی ہے وہ دینے کو دل نہیں کرتا اور جو دیتے ہیں وہ میرا خیال ہے ڈالڈا قسم ہی کی ہوتی ہے کہ نام گھی کا ہوتا ہے اور بیچ میں ڈالڈا ہوتا ہے۔ اب تو ڈالڈا بھی خالص نہیں رہے، بہرحال یہ ایک الگ موضوع ہے۔

تو یہ جو یکسوئی جو حضور ﷺ کے دوش مبارک پر سوار ہونے سے، ابوبکر صدیقؓ کو نصیب ہوئی، جو ثور کی تنہائیوں میں جب حضور ﷺ ان کی گود میں سر مبارک رکھ کر آرام فرما رہے تھے یہ جو انہیں نصیب ہوئی یہ کیا تھے؟ پوری دلی توجہ محبوب کی طرف! اب جو انوارات کی بارش ہو رہی تھی وہ ایک ہی فرد کے قلب اور سینے پہ ہو رہی تھی اور آگے پوری دنیا میں پھیل رہی تھی وہاں سے ہوکر۔ یہی مراد کثرتِ ذکر سے ہے کہ انسانی فکر اور سوچ جو ہے ایک وقت دو طرف متوجہ نہیں ہوتی: مَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَيْنِ فِيْ جَوْفِهٖ ، (سورۃ الاحزاب: 4)۔۔۔ کسی کے سینے میں دو دل نہیں ہیں۔ یعنی انسان ایک وقت میں ایک طرف متوجہ رہ سکتا ہے۔ دو طرف نہیں۔ جب کثرتِ ذکر سے ذکر کی طرف متوجہ ہوجائے گا تو دنیا اور مافیہا سے کٹ کر اللہ کی یاد میں کھوجائے گا اور جب ذکر کرتے ہوئے بھی امورِ دنیا سوچنا شروع کردے گا تو یہ صرف Exercise رہ جائے

گی۔ فکر اُدھر چلی جائے گی اور اس سے فائدہ نہیں ہوگا۔ تو میرے عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ بزرگانِ دین نے ذکر کے مختلف طریقے لکھے ہیں۔ آپ تصوّف کی کتابوں میں دیکھیں بے شمار طریقے ملتے ہیں جن میں ایک طریقہ پاس اِنفاس ہے، ہماری اس نسبت میں، سلسلۂ عالیہ میں جسے بطور بنیاد استعمال کیا جاتا ہے۔ پاس اِنفاس کا مطلب یہ ہے، پاس ہوتا ہے نگرانی کرنا۔ انفاس جمع نفس کی ہے۔ پاس انفاس سے مراد ہے ہر سانس کی نگرانی کی جائے۔ یعنی جب سانس اندر جاتا ہے تو لفظ اللہ دل میں لے کر جاتے ہیں، جب باہر آتا ہے تو ھُو خارج کرتے ہیں تو اس پر پوری توجہ بھی رکھیں۔ یہ نہیں کہ Exercise ہی رہ جائے اور کھیتوں میں آپ کی سوچ پھرتی ہو، کہیں دکان پر بیٹھی ہو، بازار میں پھر رہی ہو پھر فائدہ نہیں ہوتا۔ یعنی اس کی چوکیداری بھی کرے نگرانی بھی کرے اس پر پوری توجہ دے۔ پاس انفاس کا معنی یہ ہے کہ جب آپ ذکر کرتے ہیں، اگر بندہ ذکر کی طرف متوجہ رہے اور اس کیفیت کو زندہ رکھے کہ اللہ ھو، اللہ ھو، جارہا ہے خارج ہورہا ہے تو پھر دوسری طرف سوچ نہیں جاتی۔ مجبوریاں، ضرورتیں، پریشانیوں سے اگر سوچ بھٹکنے لگے تو جھٹک دے، پھر واپس آجائے۔

انسان کوئی ڈمی تو ہے نہیں، بے شمار اس کی تکلیفیں، بے شمار راحتیں، بے شمار رشتے، بے شمار تعلقات، بے شمار مجبوریاں، یہ ہوسکتا ہے کہ سوچ بھٹک جائے لیکن یہ نہیں کہ جدھر بھٹکے پھر اُدھر سوچنا شروع کردیا۔ یہی حال نماز کا ہے۔ احباب کہتے ہیں نماز میں خیال آتے ہیں۔ خیالات کا آنا تو ایک فطری عمل ہے آئیں گے۔ انہیں چھوڑ کر نماز کی طرف متوجہ ہونا، حضور ﷺ نے فرمایا اس میں جہاد کا ثواب ہے۔ خیال لانے سے نماز فاسد ہوجاتی ہے۔ ازخود سوچنا شروع کردو، یہ ہوتا ہے خیال لانا۔ ایک ہے کہ آپ متوجہ ہیں نماز پر، کوئی خیال آگیا، خیال آنا اور بات ہے خیال لانا اور بات ہے۔ خیال لانا مفسدِ صلوٰۃ ہے۔ خیال آنا اور اسے جھٹک کر اس طرف متوجہ ہوجانا اس میں جہاد کا ثواب ہے۔ اسی طرح ذکر میں بھی ہوسکتا ہے کوئی خیال در آئے۔ در آئے تو اُسے جھٹک دیں اور پھر اس پر شروع ہوجائیں اللہ

ھو، اللہ ھو۔ اس کا حق ادا کریں، یہ آپ کو، آپ کے قلب کو جلا بخشے گا، انوارات سے روشن کرے گا اور پھر اس سے صفاتِ باری میں تفکر پیدا ہوگا ہیں۔ اور جتنا وہ تفکر پیدا ہوگا اتنا ادراک ہوگا عظمتِ باری کا اور دنیا میں ہم، اس بازار میں ہم یہی کچھ خریدنے آئے ہیں، نقدِ حیات دے کر۔ یہ جو ایک ایک سانس ہے نا یہ ہماری نقدی خرچ ہورہی ہے ہمارے پاس گنتی کی سانسیں ہیں۔ اس عالم آب وگِل میں ایک ایک سانس جو لیتے ہیں تو ہماری وہ نقدی خرچ ہورہی ہے۔ اس کا اصل مصرف یہ ہے کہ یہاں سے ہم معرفتِ الٰہی لے کر اٹھیں اور میدان حشر میں سرخرو ہوں اور اللہ کے جوارِ رحمت میں جگہ پائیں اور اللہ کے عذاب سے بچ جائیں۔

فَمَنۡ زُحۡزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدۡخِلَ الۡجَنَّةَ فَقَدۡ فَازَ ؕ (سورۃ آل عمران: 185)۔۔۔ جو دوزخ سے بچ گیا اور جنت چلا گیا وہ کامیاب ہوگیا۔ تو یہ ساری محنت، سارا مجاہدہ سارا حیلہ اس لیے ہے کہ محنت کریں اور یاد رکھیں شیخ کی توجہ جو ہوتی ہے اس کی مثال بارش کی ہوتی ہے۔ بارش جب برستی ہے چٹان پر بھی، کھیت کھلیان پر بھی، جنگل وصحرا پر بھی برس جاتی ہے۔ نتائج مختلف نکلتے ہیں۔ کھیتوں میں فصلیں اُگتی ہیں جنگلوں میں سبزہ درخت اُگتے ہیں۔ چٹانوں پر اگر کوئی تل بھر مٹی ہوگی تو وہ بھی ڈھل جاتی ہے اور وہ سنگلاخ چٹانیں نکل آتی ہیں۔ توجہ کو قبول کرنا طالب کے ذمے ہے اور قبولیت ہوگی جب آپ اپنے ہر سانس کی نگرانی کریں اور اس طرف متوجہ رہیں گے۔ آپ کہیں اور سوچتے رہیں گے تو وہ اثرات مرتب نہیں ہوں گے۔ جب آپ اتنی تکلیف کرتے ہیں گھر کا کام کاج چھوڑ کر آتے ہیں، یہاں رہتے ہیں اتنا مجاہدہ کرتے ہیں تو یہ خیال رکھیں کہ واقعی ہر سانس کی نگرانی کی جائے اور یہ صرف ذکر میں نہ کی جائے، ایسی عادت بنائیں کہ چلتے پھرتے آتے جاتے، اٹھتے بیٹھے: اَلَّذِيۡنَ يَذۡكُرُوۡنَ اللّٰهَ قِيَامًا وَّقُعُوۡدًا وَّعَلٰى جُنُوۡبِهِمۡ (سورۃ آل عمران: 191)۔۔۔ ہر حال میں یہ احساس ہمارے ساتھ زندہ رہے ہر حال میں یادِ خدا چلتی رہے۔ اسی پر حیات بسر ہو، اسی پر موت آئے اور اللہ کرے میدانِ حشر میں یہی ذکر کرتے ہوئے اُٹھیں۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ O

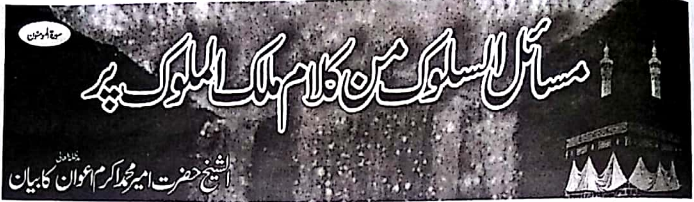

محمودیت ولہ وفناء:

قولہ تعالیٰ: بِهٖ جِنَّةٌ ... (المومنون:25)

ترجمہ: جس کو جنون ہوگیا ہے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسا حال نہایت محمود ہے جس کو محجوبین جنون سمجھیں اور یہ کمالِ فناء سے حاصل ہوتا ہے۔ پس اس کے مطلوب ہونے پر دال ہے۔"

کفار نے کہا انبیاءؑ کے بارے کہ انہیں جنون ہوگیا ہے۔ کیوں کہا؟ تھوڑی سی تفصیل اس کی یہ ہے کہ انہوں نے کہا جو معاشرے میں اصول رائج ہیں عقیدے کے، عبادت کے، معاملات کے، صلح اور جنگ کے، ایک نظامِ حیات ہے جو معاشرے میں رائج ہے۔ اب ایک بندہ اٹھ کے کھڑا ہوتا ہے اور اس سارے کو چیلنج کر دیتا ہے کہ یہ سارا خراب ہے، غلط ہے، کفر ہے، شرک ہے اس کو بدل دو۔ جو میں بتاتا ہوں اس کو اختیار کرو تو انہوں نے کہا یہ بندہ حواس کھو بیٹھا ہے۔ ایسا کبھی ہوسکتا ہے کہ پورا معاشرہ ایک شخص کے لیے بدل جائے اور یہی بات مشرکین مکہ حضور ﷺ کو کہا کرتے تھے کہ معاذ اللہ آپ پاگل ہو گئے ہیں، یہ پاگلوں جیسی باتیں ہیں۔ جو صدیوں سے، چار پانچ سو سال سے بتوں کی پوجا کر رہے ہیں، ستاروں کی پوجا کر رہے ہیں، جوگیوں کی پوجا کر رہے ہیں، کاہنوں کی پوجا کر رہے ہیں اور آگ کی پوجا کر رہے ہیں۔ پھر ان کا لین دین کا ایک طریقہ ہے ان کے نکاح طلاق کا ایک طریقہ ہے اور ان کے کاروبار کا ایک طریقہ ہے ان کے صلح جنگ کے طریقے ہیں تو وہ کس طرح ایک شخص کے کہنے پر، سارا معاشرہ کیسے اپنا عقیدہ بھی بدل دے اور اپنے اعمال بھی بدل دے؟ یہی بات آج پھر کہی جاتی ہے۔ آپ دین کی بات کریں تو کہتے ہیں پوری دنیا ایک گلوبل ولیج بن گئی ہے اور پوری دنیا میں سود کھایا جا رہا ہے آپ سود کے بغیر کیسے زندہ رہ سکتے ہیں؟ پوری دنیا میں معاملات اس طرح سے چل رہے ہیں تو آپ اس طرح سے کیسے زندہ رہ سکتے ہیں، آپ دنیا سے الگ ہو کر کیسے جی سکتے ہیں؟ تم تو پاگل ہو اس طرح تو ہو نہیں سکتا۔ تو فرمایا تصوف و سلوک میں بھی بندہ اس حد تک ذکر اذکار پر جم جائے کہ لوگ کہیں یہ پاگل ہے۔ تو فرماتے ہیں یہ اچھا حال ہے جسے غیر ذاکرین جنون سمجھیں، پاگل پن سمجھیں اور حضور ﷺ کا ارشاد بھی ہے کہ ذکر اس طرح سے کرو کہ حتی یقولو مجنون اوکما قال رسول اللہ ﷺ لوگ کہیں کہ یہ تو پاگل ہے۔ تو لوگ جو اللہ کو نہیں مانتے اسے قادر نہیں سمجھتے جو حضور ﷺ کو مجنون کہتے تھے انہوں نے اپنی زندگی میں بھی دیکھا کہ جو کچھ حضور ﷺ نے فرمایا وہ غالب ہوا اور آج پندرہویں صدی تک اللہ کی مخلوق روئے زمین پر کفر کی ساری کوششوں کے باوجود اس عقیدے پر قائم بھی ہے اور حضور ﷺ کے ارشادات پر عمل پیرا بھی ہے۔ پھر عین کفر کے سینے پر بیٹھ کر بھی لوگ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے احکام کی پیروی کر رہے ہیں جو خوش نصیب ہیں۔ تو پھر اس کا مطلب ہے پاگل تو وہ تھے جو آپ ﷺ کو ایسا کہتے تھے۔ فرماتے ہیں صوفی کے لیے اس میں یہ حال ہے کہ کسی دنیوی مصلحت کے لیے اپنے طریق پر سمجھوتہ نہ کرے تو لوگ کہیں گے پاگل ہے۔ جب لوگ پاگل کہیں گے تو اس کا مطلب ہے کہ اس کا عمل صحیح ہے یا ٹھیک صوفی ہے۔

بعض اہل کشف کا بعض کے لیے دعا سے عذر کرنا:

قولہ تعالیٰ: وَلَا تُخَاطِبْنِي فِي الَّذِينَ ظَلَمُوا ۚ --- (المومنون:27)

ترجمہ: اور مجھ سے کافروں کے بارہ میں کچھ گفتگو مت کرنا۔

''اس میں اصل ہے بعض اہل طریق کی اس عادت کی کہ بعض لوگوں سے دعا کرنے کے متعلق عذر کر دیتے ہیں کہ ان کے لیے دعا کا نافع نہ ہونا کشف سے معلوم ہو جاتا ہے۔''

فرماتے ہیں بڑی عجیب بات ہے کہ بعض اہل اللہ کو بعض لوگوں کے لیے دعا کے لیے کہا جائے تو ٹال دیتے ہیں، عذر کر دیتے ہیں، خاموش ہو جاتے ہیں۔ فرماتے ہیں اس آیہ کریمہ میں اس بات کی اصل ہے کہ نوح علیہ السلام نے جب اپنے بیٹے کے لیے درخواست کی تو اللہ نے فرمایا کہ کافروں کے بارہ میں آپ مجھ سے بات نہ کیجیے۔ فرماتے ہیں اہل اللہ کو بھی بعض اوقات اللہ کریم ان کے دل میں بات ڈال دیتے ہیں کہ اس کام کے لیے دعا نہ کیجیے تو وہ خاموش ہو جاتے ہیں یا عذر کر دیتے ہیں یا دعا نہیں کرتے، ورنہ یہ تو اچھی بات ہے کہ کسی فرد کے لیے کام کے لیے دعا کرنا یہ بجائے خود عبادت ہے لیکن یہ عجیب بات ہے کہ بعض اوقات وہ ٹال دیتے ہیں۔ کیوں ٹال دیتے ہیں؟ فرمایا من جانب اللہ انہیں معلوم ہوتا ہے کہ یہاں دعا کرنا اللہ کریم کی خفگی لینا ہے یہاں دعا نہیں کرنی چاہیے۔

ابطال رہبانیت:

قولہ تعالیٰ: كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ ---(المومنون: 51)

ترجمہ ''اس میں رہبانیت کا ابطال ہے جس میں بعض غلاۃ مبتلا ہیں۔''

فرماتے ہیں صوفی کے لیے کوئی یہ پابندی نہیں ہے کہ وہ بھوکا پیاسا رہے یا وہ اچھا کھانا نہ کھائے، شرط صرف یہ ہے کہ کھانا حلال ہونا چاہیے، پاکیزہ ہونا چاہیے۔ تو اس میں رہبانیت کا رڈ ہے، ترکِ دنیا کا رڈ ہے کہ سونا نہیں اور بھوکا رہنا ہے، یہ سب طریقے بندوؤں کے اور یوگیوں کے اور کفار کے تھے۔ بھوکے رہ رہ کر ان کو اس قدر یکسوئی ہو جاتی کہ ان کا ذہن ایک نقطے پر مرتکز ہو جاتا تو انہیں مادّیات کا کشف وغیرہ اس سے حاصل ہو جاتا تو صوفی کے لیے کشف بھی کوئی مطلوب نہیں۔ صوفی اللہ اللہ کشف کے لیے نہیں کرتا اللہ کی رضا کے لیے کرتا ہے۔ اثنائے راہ میں اگر اللہ کریم کشف عطا فرما دیں تو وہ ایک نعمت ہے لیکن ساری عمر بھی کشف نہ ہو تو وہ اپنا مجاہدہ جاری رکھتا ہے۔

مرزا مظہر جان جاناں نے بڑی محنت کی بہت سے لوگوں کو اللہ اللہ سکھایا، وہ فرمایا کرتے تھے کہ کمال ہے مجھے ساری زندگی کبھی کشف نہیں ہوا جس کو توجہ دیتا ہوں اسے کشف ہونے لگ جاتا ہے۔ یعنی شاگردوں کو کشف ہو جاتا ہے، تو فرماتے تھے مجھے تو آج تک کوئی کشف نہیں ہوا تو کشف کوئی مقصودی چیز نہیں ہے چونکہ کشف اللہ تو نہیں ہے، غیر اللہ ہے، ایک کیفیت ہے تو مقصد نہیں ہے۔ صوفیوں کو اگر ہو تو اللہ کا انعام ہے نہ ہو تو کشف کے لیے محنت نہیں کرتے بلکہ وہ اللہ کی رضا کے لیے محنت کرتے ہیں۔ اس لیے انہیں رہبانیت کی ضرورت نہیں کہ بھوکے پیاسے رہیں اور بیس بیس، دس دس راتیں نہ سوئیں، ایسا نہیں۔ جاگیں بھی، اللہ اللہ بھی کریں، سو بھی لیں، بدن کا بھی حق ہے اور اچھا کھائیں، اچھی خوراک رکھیں کہ بدن میں قوت ہو گی تو وہ مجاہدہ کرے گا۔ حلال ہو پاکیزہ ہو تو اچھا کھانا کھانے میں کوئی حرج نہیں۔

احوال و مواجید پر دھوکا نہ کھانا:

قولہ تعالیٰ: اَيَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمْ بِهٖ مِنْ مَّالٍ وَّبَنِيْنَ ۝ نُسَارِعُ لَهُمْ فِي الْخَيْرٰتِ ---(المومنون: 55-56)

ترجمہ: کیا یہ لوگ یوں گمان کر رہے ہیں کہ ہم جو کچھ ان کو مال اولاد دیئے چلے جاتے ہیں تو ہم ان کو جلدی جلدی فائدہ پہنچا رہے ہیں۔

''اس میں نعم ظاہرہ سے دھوکا نہ کھانے کا ذکر ہے۔ اسی قیاس میں نعم باطنہ سے دھوکا نہ کھانا چاہیے۔ جیسے احوال و مواجید سے کیونکہ وہ کبھی استدراج ہوتا ہے۔''

فرماتے ہیں اس آیہ کریمہ کا مفہوم یہ ہے کہ کافر سمجھتے ہیں کہ جب ہم کافروں کو مال اور اولاد دے دیتے ہیں تو وہ سمجھتے ہیں اللہ ہم سے بڑا راضی ہے اور ہم پر بڑی مہربانیاں کر رہا ہے حالانکہ وہ مال اور وہ اولاد انہیں کفر میں اور بڑھانے کا سبب بنتی ہے۔ وہ اللہ کی رضا نہیں، غضب الٰہی کو اور بھڑکا رہی ہے۔ تو اسی طرح اگر صوفی کو بھی دنیوی دولت بھی ملے، عزت و عظمت بھی ملے تو اگر وہ عزت و عظمت اس کے اپنے تکبر کا سبب نہ بنے، مزید اطاعتِ الٰہی کا اور شکر کرنے کا سبب بنے تو نعمت ہے ورنہ اس سے دھوکا نہیں کھانا چاہیے اور حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں اسی طرح نعمتِ باطنی

نعم باطنہ، قلبی کیفیات جو ہیں وہ اگر کسی کو کشف و مشاہدات زیادہ ہوتے ہیں تو اسے یہ ڈر بھی رہنا چاہیے کہ استدراج بھی ہو سکتا ہے۔ استدراج اس کشف کو کہتے ہیں جو شکلیں بنا کر شیطان دکھا دیتا ہے اور صاحبِ کشف سمجھتا ہے کہ میں صحیح مشاہدہ کر رہا ہوں لیکن دراصل وہ شیطان اسے دکھا رہا ہوتا ہے۔ تو شیطان کی بھی عجیب عجیب وارداتیں ہیں اور عجیب عجیب اس کے طریقے ہیں۔ ہمارے ایک ساتھی تھے انہیں مشاہدہ ہوتا تھا تو میرے پاس آئے بتانے لگے کہ کچھ لوگ جو سلسلہ چھوڑ کر چلے گئے تھے جی میں ان کے ساتھ ذکر کرتا ہوں وہ مجھے مسجدِ نبوی میں لے جاتے ہیں، مسجد نبوی میں یہ ہوتا ہے وہ ہوتا ہے، ساتھی کہنے لگے۔ میں نے کہا یہاں میرے ساتھ بیٹھو ذکر کرو۔ اکٹھے چلتے ہیں جہاں تم جاتے ہو وہاں چلتے ہیں۔ تو جب اس نے میرے ساتھ مراقبہ کیا تو کہنے لگا جی یہ تو صحرا ہے، ربع الخالی کا کوئی حصہ ہے اور بے شمار مردار جانور پڑے ہیں۔ اور کتے اور کوے انہیں نوچ رہے ہیں اور بندر اور خنزیر پھر رہے ہیں۔ تو میں نے کہا تم آتے تو یہاں ہو اور تم سمجھتے ہو مسجدِ نبوی میں پہنچ گیا ہوں۔ یہ شیطان تمہیں تصویر بنا کر دکھاتا ہے دراصل تم بھٹک چکے ہو اور مراقبے میں تو تم یہاں تک آتے ہو۔ کہاں مسجدِ نبوی، کہاں یہ مردار خانہ؟ تو تم کیا سوچ رہے ہو؟ تو اس کو سمجھ آ گئی۔ میں نے کہا توبہ کرو اور نئے سرے سے ذکر شروع کرو اور صحیح طریقے سے چلو۔ میں نے کہا اس مراقبے کا اثر تمہاری عملی زندگی پر بھی پڑا ہوگا اور تمہاری عملی زندگی میں فتور آیا ہوگا۔ پھر اس سے اسے سمجھ آ گئی کہنے لگا جی بات ٹھیک ہے۔ جب حضرت جی مدظلہ العالی کے ساتھ ذکر کرتے تھے تو اعمال درست تھے، تو یہ ہمیں مشاہدہ ہی ہوتا رہتا ہے اور اعمال خراب ہو گئے ہیں۔

تو میں نے کہا اس کا اثر تو یہی ہونا ہے۔ اسے استدراج کہتے ہیں یہ حقیقت نہیں ہوتی شیطان ایک تصویر بنا کر دکھا دیتا ہے، تو فرمایا کسی کو کشف و مشاہدہ بھی ہو تو اس پر فخر نہ کرے، اس بات سے ڈرتا رہے کہ کہیں شیطان تو مجھے دھوکا نہیں دے رہا۔

اپنے نفس و عمل پہ نیک گمان نہ ہونا:

قولہ تعالیٰ: وَالَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ مَآ اٰتَوْا وَّقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ ... (المومنون:60)

ترجمہ: اور جو لوگ دیتے ہیں جو کچھ دیتے ہیں اور ان کے دل اس سے خوف زدہ ہوتے ہیں۔

''اس میں اس کی تعلیم ہے کہ اپنے اعمال اور نفس پر کبھی مطمئن نہ ہو۔''

یعنی اللہ کی راہ میں خرچ بھی کرتے ہیں، اعمال نیک بھی کرتے ہیں، عبادت بھی کرتے ہیں، عبادت کرنا بدن کی قوتوں کا دینا ہے، کسی کو سکھانا تربیت کرنا علم کا دینا ہے، کسی کی مالی مدد کرنا مال کا دینا یہ ہے سب کر کے وہ ڈرتے بھی ہیں۔ خوف بھی ہوتا ہے کہ قبول ہوتا ہے یا نہیں، صحیح ہے یا نہیں۔ فرمایا اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اپنے اعمال اور اپنے نفس ان دونوں پر کبھی مطمئن نہ ہو۔ کبھی ان پر بھروسہ نہ کرے کہ اللہ کی نعمتیں بے پناہ ہیں اور ہم جتنا عمل بھی کریں اس کے مقابلے میں حقیر ہے۔ تو عمل بھی کریں تو یہ پھر ایک نعمت ہے۔ یعنی دوسری نعمتوں کا اجر یہ کیسے بنیں گے کہ یہ پھر اللہ کی دی ہوئی طاقت اور توفیق سے کر رہا ہے۔ اس لیے ہر حال میں اپنے اعمال پر فخر کرنا اور مطمئن ہونا درست نہیں ہے۔

افتخار بالفضائل کی مذمت:

قولہ تعالیٰ: مُسْتَكْبِرِيْنَ ۖ بِهٖ ... (المومنون:67)

ترجمہ: تکبر کرتے ہوئے ای بالبیت الحرام۔ یہ قریش کی شان میں ہے کہ وہ بیت اللہ کے خادم ہونے پر فخر کرتے تھے۔

''اس سے معلوم ہوا کہ فضائل پر اور خصوص اضافیہ پر کہ ہم فلاں بزرگ کی اولاد ہیں یا فلاں مزار کے خادم ہیں یا فلاں تبرکات کے حامل ہیں یا فلاں سلسلہ میں داخل ہیں فخر کرنا مذموم ہے۔''

قریش اسلام قبول نہیں کرتے تھے لیکن یہ کہتے تھے کہ ہم تو خانہ کعبہ کے، بیت الحرام کے خادم ہیں۔ ہمیں کسی کی کیا ضرورت ہے؟ ہم تو براہ راست اللہ کے گھر کی خدمت کرتے ہیں، کسی کو نبیؐ کیوں مانیں اور کسی کے پیچھے کیوں چلیں تو اس پر فخر کرتے تھے۔ فرمایا، اسی طرح جاہل لوگ کبھی اس بات پہ فخر کرتے ہیں کہ میں فلاں بزرگ کی اولاد ہوں۔ جیسا عموماً جو جہلاء میں ہے، بے دینوں بدکاروں کے گھٹنے چوم رہے ہوتے ہیں یہ بھی فلاں بزرگ کی اولاد ہے، وہ بھی فخر کر رہا ہوتا ہے میں

فلاں بزرگ کی اولاد ہوں یا فلاں مزار کا خادم ہوں، فلاں سلسلے کا حامل ہوں۔ فرمایا ان چیزوں پر فخر کرنا قابلِ مذمت ہے۔ یہ صحیح نہیں ہے کسی خصوصِ اضافیہ اضافی خصوصیات سے کہ کسی کی اولاد ہونا، کسی کے مزار کا خادم ہونا، کسی سلسلے سے وابستہ ہونا یہ اضافی خصوصیات ہیں ان پر فخر نہیں کرنا چاہیے، اپنے عقیدے اور اپنے کردار کو دیکھنا چاہیے۔

مرید کی فرمائش کا اتباع نہ کرنا:

قولہٗ تعالیٰ: وَلَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ اَهْوَآءَهُمْ لَفَسَدَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ... (المومنون:71)

ترجمہ: اور اگر دینِ حق ان کے خیالات کے تابع ہو جاتا تو تمام آسمان اور زمین اور جو ان میں ہیں سب تباہ ہو جاتے۔

کفار تو چاہتے تھے کہ یہ جو ہم کہتے ہیں اسی کو دین بنالیا جائے تو اللہ کریم فرماتے ہیں کہ اگر دین کافروں کی خواہشوں کے تابع ہو جاتا تو دنیا تباہ ہو چکی ہوتی۔ زمین ہی نہیں آسمان بھی اور آسمانوں اور زمینوں کے درمیان جو کچھ ہے تباہ ہو چکا ہوتا۔ فرماتے ہیں اسی طرح مشائخ کا بھی یہ طریقہ ہوتا ہے کہ ہر طالب کی خواہش اور آرزو کے مطابق اس سے سلوک نہیں کرتے بلکہ حکمت اور مصلحت کے مطابق تربیت کرتے ہیں۔ یہ نہیں دیکھتے کہ طالب کی خواہش کیا ہے، یہ دیکھتے ہیں کہ حقیقت کیا ہے اور اس کے مطابق تربیت کرتے ہیں۔

"اس میں اہلِ طریق کے اس معمول کی اصل ہے کہ وہ مریدین کی خواہشوں اور فرمائشوں کا اتباع نہیں کرتے بلکہ حکمت اور مصلحت کا اتباع کرتے ہیں۔"

اطلاع

ساتھیوں سے التماس ہے کہ وہ جس بھی مد (Head) میں رقم/Cheque جمع کرائیں درج ذیل اکاؤنٹ نمبروں کو استعمال کریں کیونکہ پرانے نمبر منسوخ ہو چکے ہیں۔

MUHAMMAD AKRAM AWAN	PERSONAL ACCNT PK13MUCB0099426881001554	1507
MUHAMMAD AKRAM AWAN	PATRON IN CHIEF LIBRARY FUND PK94MUCB0099426881001551	1507
MUHAMMAD AKRAM AWAN	CHIEF PATRON SIQARAH GIRLS PK67MUCB0099426881001552	1507
MUHAMMAD AKRAM AWAN	ALFALAH PK40MUCB0099426881001553	1507
MUHAMMAD AKRAM AWAN	RESIDENT ZAKAT USHAR PK83MUCB0099426881001555	1507
MUHAMMAD AKRAM AWAN	DARULIRFAN MASJID FUND PK15MUCB0099426881000451	1507

THE ABOVE ACCOUNTS ARE MCB MUNARA BRANCH CODE 1507

MUHAMMAD AKRAM AWAN	PERSONEL ACCOUNT PK 20 NBPA1400004114007786	1400
ABDUL QADEER AWAN/MUHAMMAD AKRAM AWAN	DARULIRFAN FUND PK 69 NBPA1400004114007777	1400

THE ABOVE TWO ACOUNTS ARE NATIONAL BANK NOORPUR BRANCH CODE 1400

ABDULQADEER AWAN/MUHAMMAD AKRAM AWAN	PERSONAL PK74UNIL0109000227053953	1519

THE ABOVE ACCOUNT IS UBL MIANI CODE 1519

اکرم التفاسیر

سورۃ الاحزاب آیات 59 تا 68

الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی

اَلْحَمْدُلِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ○ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی حَبِیْبِہٖ مُحَمَّدٍ
وَّاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ ○ اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

یٰٓاَیُّھَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِکَ وَبَنٰتِکَ وَنِسَآءِ
اے پیغمبر! اپنی بیویوں اور اپنی بیٹیوں اور ایمان والوں کی عورتوں سے فرما دیجئے
الْمُؤْمِنِیْنَ یُدْنِیْنَ عَلَیْھِنَّ مِنْ جَلَابِیْبِھِنَّ ؕ
کہ (باہر نکلیں تو) اپنے (مونہوں) پر اپنی تھوڑی سی چادریں لٹکا (کر گھونگھٹ نکال) لیا کریں۔
ذٰلِکَ اَدْنٰٓی اَنْ یُّعْرَفْنَ فَلَا یُؤْذَیْنَ ؕ وَکَانَ اللّٰہُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ﴿٥٩﴾
قریب تر ہے کہ یہ امر ان کی پہچان کا باعث ہوگا تا کہ ان کو کوئی ایذا نہ دی جائے اور اللہ بخشنے والے مہربان ہیں۔
لَئِنْ لَّمْ یَنْتَہِ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِھِمْ مَّرَضٌ
اگر یہ منافق اور جن کے دلوں میں بیماری ہے اور جو مدینہ (منورہ) میں (بری بری)
وَّالْمُرْجِفُوْنَ فِی الْمَدِیْنَۃِ لَنُغْرِیَنَّکَ بِھِمْ ثُمَّ لَا یُجَاوِرُوْنَکَ
خبریں اڑایا کرتے ہیں باز نہ آئے تو ہم ضرور آپ کو ان کے پیچھے لگا دیں گے پھر یہ آپ کے پڑوس میں کم
فِیْھَآ اِلَّا قَلِیْلًا ﴿٦٠﴾ مَّلْعُوْنِیْنَ ۚ اَیْنَمَا ثُقِفُوْٓا اُخِذُوْا وَقُتِّلُوْا
ہی رہ پائیں گے۔ (وہ بھی) پھٹکارے ہوئے جہاں پائے گئے، پکڑے گئے اور بے دریغ قتل کر
تَقْتِیْلًا ﴿٦١﴾ سُنَّۃَ اللّٰہِ فِی الَّذِیْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّۃِ
دیئے گئے۔ اللہ نے ان لوگوں میں بھی یہی دستور رکھا ہے جو پہلے ہو گزرے ہیں اور آپ اللہ کے دستور میں کوئی
اللّٰہِ تَبْدِیْلًا ﴿٦٢﴾ یَسْئَلُکَ النَّاسُ عَنِ السَّاعَۃِ ؕ
تبدیلی ہرگز نہ پائیں گے۔ لوگ آپ سے قیامت کے بارے پوچھتے ہیں (کہ کب آئے گی؟)
قُلْ اِنَّمَا عِلْمُھَا عِنْدَ اللّٰہِ ؕ وَمَا یُدْرِیْکَ لَعَلَّ السَّاعَۃَ تَکُوْنُ
فرما دیجئے کہ یقیناً اس کا علم میرے اللہ کے پاس ہے اور تمہیں کیا معلوم کہ شاید قیامت قریب ہی
قَرِیْبًا ﴿٦٣﴾ اِنَّ اللّٰہَ لَعَنَ الْکٰفِرِیْنَ وَاَعَدَّ لَھُمْ سَعِیْرًا ﴿٦٤﴾
آگئی ہو۔ بے شک اللہ نے کافروں پر لعنت کی ہے اور ان کے لیے (جہنم کی) آگ تیار کر رکھی ہے۔
خٰلِدِیْنَ فِیْھَآ اَبَدًا ۚ لَا یَجِدُوْنَ وَلِیًّا وَّلَا نَصِیْرًا ﴿٦٥﴾ یَوْمَ تُقَلَّبُ
اس میں وہ ہمیشہ رہیں گے نہ کسی کو دوست پائیں گے اور نہ مددگار۔ جس دن ان کے چہرے دوزخ میں
وُجُوْھُھُمْ فِی النَّارِ یَقُوْلُوْنَ یٰلَیْتَنَآ اَطَعْنَا اللّٰہَ وَاَطَعْنَا
الٹ پلٹ کیے جائیں گے (تو) کہیں گے اے کاش! ہم نے اللہ کی اطاعت کی ہوتی اور پیغمبر کی اطاعت
الرَّسُوْلَا ﴿٦٦﴾ وَقَالُوْا رَبَّنَآ اِنَّآ اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَکُبَرَآءَنَا فَاَضَلُّوْنَا
کی ہوتی۔ اور وہ کہیں گے اے ہمارے پروردگار! بے شک ہم نے اپنے سرداروں اور بڑوں کی اطاعت کی سو انہوں
السَّبِیْلَا ﴿٦٧﴾ رَبَّنَآ اٰتِھِمْ ضِعْفَیْنِ مِنَ الْعَذَابِ
نے ہم کو راستے سے گمراہ کیا تھا۔ اے ہمارے پروردگار! ان کو دوگنا عذاب دیجئے
وَالْعَنْھُمْ لَعْنًا کَبِیْرًا ﴿٦٨﴾
اور ان پر بڑی لعنت کیجئے۔

اَللّٰھُمَّ سُبْحٰنَکَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا اِنَّکَ اَنْتَ الْعَلِیْمُ الْحَکِیْمُ ○ مَوْلَایَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَآئِمًا اَبَدًا عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّھِمِ.

یٰٓاَیُّھَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِکَ وَبَنٰتِکَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِیْنَ (59)۔۔۔اے میرے نبی ﷺ اپنی ازواجِ مطہرات کو حکم دیجئے، اپنی بیٹیوں اور مسلمان خواتین کو فرما دیجئے۔ قرآن میں ازواجِ مطہرات کے لیے جمع کا صیغہ آیا ہے کثرت کی وجہ سے، اسی طرح بنات، آپ ﷺ کی بیٹیوں کے لیے بھی جمع کا صیغہ آیا ہے۔ عربی میں دو جمع نہیں ہوتے، ایک واحد ہوتا ہے، دو تثنیہ ہوتے ہیں، دو سے زائد ہوں

تین، چار، پانچ تو وہ جمع ہوتے ہیں۔ پھر دو سے زائد بھی جمع کثرت اور قلت ہوتی ہے۔ عربی میں دو سے زائد میں بھی جمع میں پھر فرق ہے۔ جمع قلت ہے، جمع کثرت ہے۔ جمع قلت نو تک ہوتی ہے۔ دس ہو جائیں یا اس سے زیادہ تو اسے جمع کثرت کہتے ہیں۔ لیکن دو سے زائد جمع شروع ہوتی ہے۔ دو تک واحد اور تثنیہ، ایک اور دو۔ تین اور چار ہوں تو پھر جمع، تین، چار، پانچ، چھ، سات، آٹھ، نو تک جمع قلت ہیں۔ نو سے اوپر جمع کثرت ہے۔ یہ نو تک جمع قلت ہے۔ تو آپ ﷺ کی دخترانِ مبارک چار تھیں اس لیے جمع کا صیغہ یہاں استعمال ہوا ہے۔

قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ (59)۔۔۔ آپ اپنی ازواجِ مطہرات کو بھی یہ حکم دیجئے اور اپنی بیٹیوں کو بھی فرما دیجئے۔ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۔۔۔ اور مومنوں کی عورتوں سے، سب سے یہ کہہ دیجئے۔ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ ؕ (59)۔۔۔ باہر نکلیں تو کھلی سی چادر لے لیں جس سے بدن ڈھک جائے، بدن کے نشیب و فراز بھی نظر نہ آئیں۔ زیور اور زیب و زینت اور بناؤ سنگھار بھی عورت کا حق ہے وہ باہر نظر نہیں آنا چاہئے اور۔ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ ؕ (59)۔۔۔ وہ چادر کرنے کے بعد اسے پیشانی سے کھینچ کر منہ پر پردہ کر لے۔ یہ شرعی پردہ ہے اور یہ فرض ہے ہر مسلمان عورت کے لیے۔ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَنْ يُّعْرَفْنَ (59)۔ اور یہ اس بات کے قریب تر ہے کہ پتا چلتا رہے کہ یہ خاتون مسلمان ہے، اس کا تعلق اسلام سے ہے۔ فَلَا يُؤْذَيْنَ ؕ (59)۔۔۔ اور کوئی اسے ایذا نہ دے، کوئی اس سے چھیڑ چھاڑ نہ کرے، کوئی اس پر طعن نہ کرے، کوئی اسے نہ چھیڑے۔ اسے ایک باپردہ مسلمان عورت ہونا چاہئے۔ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا (59)۔۔۔ چھوٹی موٹی غلطیاں، کوتاہیاں ہو جانا اللہ کریم معاف کرنے والے ہیں۔

یہاں خواتین کا پردہ اللہ کریم نے ازواجِ مطہرات، بناتِ رسول اللہ ﷺ یعنی آپ ﷺ کے گھر سے شروع کر کے عام مومن تک ایک ہی جملے میں حکم دیا۔ مغرب کی پیروی نے ہماری بچیوں کو گھروں سے اٹھا کر بازاروں کی زینت بنا دیا، کیمروں کے سامنے کھڑا کر دیا، لوگوں کے لیے تماشا بنا دیا۔ لیکن کیا ہم نے کبھی سوچا ہے کہ مغرب میں جہاں عورت کا پردہ نہیں ہے وہ عورت کہاں پہنچی اور اہلِ مغرب کا کیا حشر ہے؟ مشرقِ بعید میں بھی جن اقوام میں عورت کا کوئی پردہ اور حجاب نہیں ہے ان کے حالات کیا ہیں؟ وہ کہاں پہنچ چکے اور خود یہاں ہمارے ہاں بھی پردہ نہ ہونے کی وجہ سے کیا کیا گل کھلائے جاتے ہیں اور کیا کیا تماشے بنتے ہیں؟ یاد رکھیں اسلام کا کوئی حکم زندگی کو مشکل بنانے کے لیے نہیں ہے بلکہ زندگی کو آسان بنانے کے لیے ہے۔ شریعت زندگی کو سہل بناتی ہے مشکل نہیں بناتی، اگرچہ آج کل ہم کہتے ہیں شریعت پر عمل کرنا مشکل ہے۔ شریعت کی مخالفت مشکل ہے، ہر وہ کام جو خلافِ شریعت کیا جاتا ہے وہ کرنا مشکل ہے، اس پر ٹوکا ٹکار بھی ہوتی ہے، سزائیں بھی ملتی ہیں، تکلیف بھی ہوتی ہے۔ اللہ کریم نے نگاہوں کو بچانے کا حکم دیا ہے، عورتوں کو بھی کہ اپنی نگاہیں بچا کر رکھیں۔ نیچی رکھیں اور مردوں کو بھی حکم دیا کہ نگاہ کی حفاظت کرو۔ آج کا سائنسدان کہتا ہے کہ دل کے جو جذبات جنس کے ہوتے ہیں، عورت کو مرد سے رغبت ہوتی ہے یا مرد کو عورت سے ہوتی ہے، جنسِ مخالف کے لیے جو جذبات ہوتے ہیں یہ دل سے آنکھوں کے راستے باہر آتے ہیں، یہ دل سے نگاہوں میں منتقل ہوتے ہیں۔ پھر ہر نگاہ اور ہر دل کے جذبات کی ایک فریکیونسی ہوتی ہے، جیسے آپ کے ریڈیو، ٹیلیویژن پر جو چیزیں آتی ہیں تو ان کی فریکیونسی مقرر ہیں، اسی طرح دل سے جو شعائیں نکلتی ہیں، Rays نکلتی ہیں اور نگاہوں سے آگے جاتی ہیں ان کی بھی فریکونسی ہے۔ جس عورت جس مرد کی جتنی فریکیونسی قریب ہو اتنے وہ ایک دوسرے کے لیے بے تاب ہو جاتے ہیں اور جس کی بالکل ایک جیسی ہو وہ ہیر رانجھا، سسّی پنوں بن جاتے ہیں۔ اگر یہ فریکیونسی ایک جیسی بھی ہو اور وہ حجاب کریں، پردہ کریں، مرد بے تکلف عورت کو نہ دیکھے، عورت بغیر پردے کے مرد کو نہ دیکھے، پردے میں رہے تو یہ سارا خطرہ ہی ٹل جاتا ہے۔ ساری مصیبت سے بچ جاتے ہیں۔ جدید سائنس بھی اس

بات پہ متفق ہے کہ آبرو کے لیے پھر کوئی خطرہ نہیں رہتا۔ اس وقت تو یہ سائنسی تحقیق نہیں تھی لیکن اللہ دلوں کے بھید جانتے ہیں، اللہ نے اپنے نبی ﷺ کو حکم دیا اور شروع فرمایا ازواجِ مطہرات سے، خود خانۂ رسول ﷺ سے، پھر آپ ﷺ کی بیٹیوں کو حکم دیا اور پھر مومن مردوں کی مومن خواتین کو حکم دیا۔ پردہ اس طرح سے رکھیں کہ جہاں پردہ کرنا ہے، جب باہر نکلیں تو ایسی چادر لے لیں کہ بدن نظر نہ آئے، پھیلی ہوئی چادر ہو، پورے بدن کا پردہ ہو جائے۔ پیر جھٹک کر نہ چلیں کہ کوئی پازیب پہنی ہوئی ہے اس کی آواز آئے، زیور کی نمائش نہ کریں، زیور نہ دکھائیں اور نگاہوں پر بھی پردہ۔ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ (59) چادر کو ماتھے سے، پیشانی سے کھینچ کر اپنی نگاہوں کا بھی پردہ کر لیں۔ مردوں کو بھی حکم ہے کہ غیر عورت کی طرف نگاہ اٹھا کر نہ دیکھیں تو غض بصر وہ علاج ہے کہ جہاں نگاہیں نکرائیں گی ہی نہیں تو خرابی کا اندیشہ پیدا نہیں ہوگا۔ مسلمان عورت کی شناخت ہونی چاہیے پتا چلے کہ یہ مسلمان ہے۔ اب یہ کہاں کی مسلمانی ہے، نہ حجاب ہے، نہ پردہ ہے، نہ شرم ہے، نہ حیا ہے۔ بال کھلے ہیں، گھٹنوں تک ٹانگیں بھی ننگی ہیں، بازو بھی ننگے ہیں، یہ کون سی مسلمانی ہے؟ مسلمان مرد کو بھی مردوں میں نظر آنا چاہئے کہ یہ مسلمان ہے۔ آج کل ہماری تصویریں عیسائیوں کے ساتھ، ہندوؤں کے ساتھ، غیر ملکی اکابرین کے ساتھ آتی ہیں۔ ہندوستان میں ہندوؤں کے ساتھ نیچے نام لکھ دیں تو پتا چلتا ہے کہ مسلمان ہیں ورنہ کوئی پتا نہیں چلتا ہندو کون ہے مسلمان کون ہے۔ مسلمان کی اپنی شناخت ہونی چاہئے تعارف ہونا چاہئے، دیکھیں تو پتا لگے کہ مسلمان ہے۔ اور جب یہ باعزت، مقدس باپردہ خواتین ہوں گی تو کوئی انہیں ایذا بھی نہیں دے گا۔

مدینہ منورہ میں ایک دفعہ ایسا ہوا کہ مسلمان بچیوں پر کچھ یہود کے لوگوں نے باتیں کیں، کوئی آوازے کسے اور جب مسلمانوں کو علم ہوا تو ان کو تنبیہہ کی گئی تو انہوں نے عذر کیا کہ ہمیں کیا پتا، یہ خواتین آپ کی ہیں، جیسی ہماری ہیں ویسی یہ بھی پھر رہی تھیں تو ہم نے سمجھا ہماری اپنی ہیں۔ تب یہ حکم ہوا کہ اس طرح پردہ کرو اور الگ سے شناخت ہو کہ یہ خاتون مسلمان ہے یہ بندہ مسلمان ہے، اور کوئی انہیں ایذا نہ دے۔ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا (59)۔۔۔ اور اللہ کی اطاعت کرو اپنی پوری کوشش کرو پھر کمی رہ جائے تو اللہ معاف کرنے والے بھی ہیں، رحم فرمانے والے بھی۔ لیکن تم کرنا ہی چھوڑ دو تو یہ بات درست نہیں ہے اپنی پوری کوشش کرو پھر اگر کوئی کمی رہ جاتی ہے، جذباتی طور پر خیالات میں کمی رہ گئی، تعامل میں، عمل میں کمی رہ گئی تو اللہ معاف کرنے والے اور رحم فرمانے والے ہیں۔ اچھا! ایک اور بڑی نازک بات کی طرف قرآن نے توجہ دلائی ہے جسے آپ کہتے ہیں پراپیگنڈہ۔ فوج کے کالم بنتے تھے فرسٹ کالم، سیکنڈ کالم، تھرڈ کالم، فورتھ کالم یہ چار کالم ہوتے تھے فوج کے جنگ میں، تو ایک حملہ کرے گا دوسرا دائیں طرف سے آئے گا تیسرا بائیں سے آئے گا چوتھا پیچھے محفوظ رہے گا۔ یہ جہاں سمجھے گا کہ دشمن طاقتور ہو رہا ہے یا ہماری فوج کمزور تو وہ وہاں مدد کے لیے پہنچ جائے گا۔ تو یہ چار کالم ہوتے تھے فوج کے، ایک پانچواں کالم بن گیا جنگ عظیم میں اسے ففتھ کالم کہتے تھے، ففتھ کالم کیا تھا؟ پراپیگنڈہ یعنی جھوٹ بولو اور اتنا بولو کہ ایسے لگے کہ یہ ہی سچ ہے۔ افواہیں اڑائے جاؤ۔ گوئبلز گوئبلز ایک وزیر ہوتا تھا ہٹلر کا یہ ففتھ کالم اس نے ایجاد کیا تھا۔ اس کا طریقہ یہ ہوتا تھا کہ پہلے پہلے تو انہوں نے شہر جرمنی فتح کیے، پھر کسی شہر کی طرف وہ پیش قدمی کرتے تو گوئبلز گوئبلز اس وقت ریڈیو پہ اعلان کر دیتا تھا کہ فلاں شہر فتح ہو گیا۔ اب ہر بندے کو یقین آ جاتا، طوفان مچ جاتا تھا کہ جرمن فوج آ گئی شہر فتح ہو گیا۔ تو شہر کے لوگ بھی چھوڑ کر بھاگنا شروع کر دیتے تھے اور باہر والے بھی سمجھتے تھے کہ شہر فتح ہو گیا چنانچہ جب جرمن فوج آتی تو آدھا شہر تو خالی ہو چکا ہوتا آدھا وہ فتح کر لیتے، انہیں فتح کرنے میں آسانی ہوتی۔ تو اسے کہا گیا ففتھ کالم اور وہ گوئبلز گوئبلز کہا کرتا تھا کہ اتنا جھوٹ بولو اور مسلسل بولو کہ اگلا اُسے سچ سمجھنے لگے۔

مدینہ منورہ میں، ریاستِ مدینہ کے ساتھ بھی یہ ففتھ کالم استعمال کیا گیا۔ آپ ﷺ کی حکومت کے خلاف بھی، مدینہ منورہ کی ریاست کے خلاف بھی منافقین خبریں اڑا دیتے تھے کہ فلاں قبیلہ آج حملہ کر رہا

ہے، مشرکین اِدھر سے آ رہے ہیں، فلاں علاقے پر حملہ کردیں گے۔ بات کچھ نہیں ہوتی تھی صرف پریشان کرنے کے لیے کرتے تھے۔تو فرمایا: لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْمُرْجِفُوْنَ فِي الْمَدِيْنَةِ لَنُغْرِيَنَّكَ بِهِمْ ثُمَّ لَا يُجَاوِرُوْنَكَ فِيْهَآ اِلَّا قَلِيْلًا (60)۔۔۔اگر یہ منافقین اور جن کے دلوں میں مرض ہے، جن کے دل گل سڑ چکے ہیں جن کے دلوں میں اسلام کے خلاف نفرت بھری ہوئی ہے، جن کے دلوں میں اسلام کے خلاف بغض بھرا ہوا ہے اور یہ جو گپیں اڑاتے ہیں مدینہ منورہ میں اور پریشان کرتے ہیں لوگوں کو اور رسول اللہ ﷺ کو بھی تو ان کے دل تباہ ہو چکے ہیں ان کے دلوں میں مرض ہے۔لیکن انہیں رک جانا چاہیے کہ اگر یہ باز نہیں آئیں گے تو پھر یہ یہاں کم ہی رکیں گے پھر یہ آپ ﷺ کے پڑوس میں نہیں رہ سکیں گے۔ثُمَّ لَا يُجَاوِرُوْنَكَ فِيْهَآ اِلَّا قَلِيْلًا (60)۔۔۔ پھر چند روز ہی ہیں پھر یہ یہاں نہیں رہ سکیں گے۔اور پھر وہی ہوا، بنو قریظہ پر حملہ ہوا، اس کے لوگ قتل ہوئے دوسرے قبیلے کو مدینہ منورہ سے نکلنا پڑا۔دیس سے نکالا گیا۔اور یہ یہودی اور منافقین جو مسلمانوں کے خلاف پراپیگنڈہ کرتے تھے وہ مدینہ منورہ خالی کر کے چلے گئے۔فرمایا: آپ کے پڑوس میں نہیں رہ سکیں گے چند دن ہی مہلت ہے ان کے پاس انہیں یہ شہر مقدس خالی کرنا ہوگا۔کرتے کیا تھے، جرم کیا تھا؟ اسلام کے خلاف باتیں کرتے تھے، ریاستِ اسلام کے خلاف باتیں کرتے تھے۔آج تو ہم بڑی جرأت سے کہتے ہیں ہم مباحثہ کر رہے ہیں۔ اسلام کے خلاف دھڑلے سے باتیں کرتے ہیں، شریعت پر تنقید کرتے ہیں اور اسلامی احکام کا مذاق اڑایا جاتا ہے۔ایسے لوگ بھی ایمان میں کم ٹھہرتے ہیں اور ایمان سے خارج کردیئے جاتے ہیں۔لہٰذا بات منہ سے نکالنے سے پہلے اس کا اندازہ کرلینا چاہیے۔ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی مخالفت مول نہیں لینی چاہیے اور جو احکام شریعت کے ہیں ان کا مذاق نہ اڑایا جائے، اس بات سے اجتناب کیا جائے، خود عمل نہیں کرسکتا تو اللہ سے توفیقِ عمل مانگے، جو کر رہے ہیں ان کو نشانہ نہ بنائے۔تو ایک محاورہ ہے کہ دیکھے ہوئے ہیں جی داڑھیوں والے، یا ہم جانتے ہیں نمازیوں کو ان کا مذاق اڑایا جاتا ہے۔چلو ہم داڑھی والے بھی خراب ہوں گے، ہم نمازی بھی اچھے لوگ نہیں ہوں گے لیکن ہماری ذات کی بات اور ہے، داڑھی اور نماز یہ ارکانِ اسلام ہیں ان کا مذاق نہ اڑایا جائے ورنہ عذاب الٰہی کی گرفت آجاتی ہے۔

آپ کے پڑوس میں کم ہی رہیں گے، مَّلْعُوْنِيْنَ (61) پھٹکارے ہوئے ہیں ان پر اللہ کی لعنت برسے گی۔ اَيْنَمَا ثُقِفُوْٓا اُخِذُوْا وَقُتِّلُوْا تَقْتِيْلًا (61)۔۔۔ جہاں بھی پائے گئے ذلیل ہوں گے، اللہ کی لعنت ہوگی ان پر یا اسلامی افواج کے ہتھے چڑھیں گے اور یہ قتل کیے جائیں گے، تباہ ہو جائیں گے، ان کی دینا بھی جاتی رہے گی اور آخرت بھی جاتی رہے گی۔سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ ۚ (62)۔۔۔ یہ اللہ کی عادت ہے، ان کو تاریخ کا مطالعہ کرنا چاہیے، ان کو دیکھنا چاہیے کہ پہلے ادیان میں، پہلے انبیاءؑ کا جن لوگوں نے مذاق اڑایا اور دین کا مذاق اڑایا ان کا کیا حشر ہوا، ان کے ساتھ کیا ہوا؟ یہ عادتِ الٰہی ہے۔ہر شخص کو اختیار ہے۔مانے یا نہ مانے۔جو نہیں مانتا وہ اپنی طبعی عمر پوری کرے۔مرے گا تو اللہ کریم حساب لیں گے، دین کا مذاق اڑانے والوں سے فرمایا کہ تم عمرِ طبعی پوری نہیں کرسکو گے اس سے پہلے تم پر گرفت آجائے گی۔لعنت برسے گی۔ اللہ کا عذاب آجائے گا اور اللہ کے طریقِ کار میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی۔تم پہلی امتوں کے انجام دیکھ لو جنہوں نے انبیاءؑ کا مذاق اڑایا، کتابوں کا مذاق اڑایا، اللہ کے دین کا مذاق اڑایا، ان کا انجام کیا ہوا، اگر تم مذاق اڑاؤ گے تو تمہارا انجام بھی وہی ہوگا۔

لوگ آپ ﷺ سے قیامت کا وقت پوچھتے ہیں، کب قائم ہوگی؟ يَسْـَٔلُكَ النَّاسُ عَنِ السَّاعَةِ ۭ (63)۔۔۔آپ ﷺ فرما دیجئے! قیامت کا علم اللہ کے لیے خاص ہے، قیامت قائم اللہ نے کرنی ہے، حساب کتاب اس نے لینا ہے، نیکی کا بدلہ، برائی کی سزا اس نے دینی ہے یہ میرا معاملہ نہیں۔میرا معاملہ قیامت سے پہلے قیامت کی

خبر دینا کہ قیامت کو کیا ہوگا؟ دنیا میں جو تمہارا عقیدہ اور عمل ہے وہ کیا ہونا چاہیے تو اس پر اللہ کی رضا مرتب ہوگی۔ غلط ہوگیا تو وہ قبول نہیں ہوگا۔ میرا منصبِ جلیلہ حساب لینا نہیں ہے۔ میں نے حساب کتاب نہیں لینا۔ قیامت کب ہوگی؟ قیامت میں کس کا حساب کیا ہوگا یہ میرا مسئلہ نہیں ہے۔ یہ اللہ کریم کا اپنا کام ہے اور تمہیں کیا معلوم کہ قیامت ابھی آجائے، بہت قریب ہو؟ دارِ آخرت اور قیامت کا ایک قانون یہ ہے کہ وہاں عمل کرنے کا وقت نہیں ہوگا، جو کچھ کیا ہے اس کے نتائج اور اس کا اجر ملنے کا وقت ہوگا۔ تو جب کسی کی موت آتی ہے تو حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ ایک چھوٹی قیامت یہ بھی ہے۔ حضورِ اکرم ﷺ کے ارشاد کا مفہوم ہے کہ، فقد مات قامت قیامۃ (مشکوۃ)۔۔۔ جو مرتا ہے اس کی قیامت تو آگئی، عمل منقطع ہوگیا۔ جب موت آئی تو عمل کی مہلت جو تھی وہ ختم ہوگئی، عمل کا موقع ختم ہوگیا اور نتائج مرتب ہونا شروع ہوگئے۔

آخرت کا حساب کتاب قیامت کو ہوگا لیکن بندہ جب برزخ میں داخل ہوتا ہے تو برزخ انتظار گاہ ہے۔ ابتدائے آفرینش سے جو لوگ دنیا سے گئے وہ برزخ میں قیامت کے منتظر ہیں، جو جا رہے ہیں وہ برزخ میں انتظار گاہ میں چلے جاتے ہیں۔ انتظار گاہ میں بھی جیسا بندہ جاتا ہے، جیسا اس کا عقیدہ و کردار ہوتا ہے ویسی ہی رہائش اُسے ملتی ہے۔ گناہگار ہے تو مشکل ہوجاتا ہے، سزائیں ہوتی ہیں، تکلیفیں ہوتی ہیں، دکھ ہوتے ہیں۔ نیک ہوتا ہے تو آرام سے رہتا ہے، عزت سے رہتا ہے۔ تو قیامت کو بھی اجر ملے گا عمل کا موقع نہیں ہوگا۔ جب موت آتی ہے تو عمل منقطع ہوجاتا ہے۔ اس کی ذاتی قیامت، چھوٹی قیامت تو آگئی تو کیا پتا کہ دوسری سانس آئے کہ نہ آئے۔ اس اُمید پر رہنا کہ قیامت ابھی دور ہے نیک عمل پھر کرلیں گے اور اس اُمید پر زندہ رہنا کہ ابھی تو جوانی ہے، ابھی بڑا وقت پڑا ہے پھر نیکی کرلیں گے۔ کس کے پاس یہ ضمانت ہے کہ کتنا وقت ہے اور کل نیکی کر سکو گے؟ وَمَا يُدْرِيكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ تَكُونُ قَرِيبًا (63)۔۔۔ اور تمہیں کیا خبر کہ قیامت سر پر کھڑی ہو اور بہت قریب ہو، ابھی آجائے۔ اللہ قادر ہے وہ چاہے تو آج ہی منعقد کردے تو کسی کے پاس اس کی خبر نہیں کیونکہ وہ کام ہی اللہ کا ہے اس میں کسی کو کیا دخل۔ ہاں! قیامت کو ہوگا کیا؟ فکر اس بات کی کرنی چاہئے۔ قیامت کب ہوگی؟ یہ ہمارا مسئلہ نہیں ہے۔ ہمارا مسئلہ یہ ہے کہ قیامت ہوگی تو پھر ہوگا کیا؟

إِنَّ اللَّهَ لَعَنَ الْكَافِرِينَ (64)۔۔۔ اللہ کافروں پر لعنت فرمائے گا، اللہ کی لعنت ہوگی کافروں پر۔ لعنت ہوتی ہے رحمت سے کلی طور پر محرومی، کوئی شائبہ رحمت کا جہاں نہ پہنچے وہ لعنت ہوتی ہے۔ بیزاری، دوری، محرومی، فرمایا: قیامت کو ہوگا یہ کہ جس نے دنیا میں کفر کیا۔ اللہ کی ذات کو، اس کی صفات کو نہیں مانا۔ اس کے انبیاء علیہ السلام پر ایمان نہیں لائے، اُس کی کتاب کا انکار کیا، اپنی پسند سے جیئے اپنی مرضی نافذ کرنا چاہی، شیطان کے پیچھے چل کر اپنی عمر ضائع کردی تو کفر پر جو مر گئے ان پر اللہ کی لعنت ہوگی۔ وَأَعَدَّ لَهُمْ سَعِيرًا (64)۔۔۔ اور اُن کے لیے بہت دردناک عذاب، جہنم کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ۔۔۔ انہیں اس جہنم کے عذاب میں ہمیشہ ہمیشہ رہنا ہوگا لَا يَجِدُونَ وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا (65)۔۔۔ اور اس عالم میں نہ ان کا کوئی دوست ہوگا نہ کوئی معاون و مددگار ہوگا، ساری اُمیدیں بھی منقطع ہوجائیں گی۔

انسان، بدن اور روح سے مرکب ہے۔ انسانی روح صرف ایسی ہے جو عالمِ امر سے ہے۔ انسان میں بھی روح ہے اور باقی مخلوق جو زندہ مخلوق ہے، روح والی مخلوق ہے ان میں بھی روح ہے لیکن روح حیوانی ہوتی ہے۔ روح حیوانی کیا ہے؟ جب عناصر اربعہ ملتے ہیں، وجود بنتا ہے، خون بنتا ہے تو اس میں ایک گرمی، ایک حدت پیدا ہوتی ہے جس سے بخارات سے بنتے ہیں۔ وہ بخارات زندگی کا سبب بن جاتے ہیں اسے روحِ حیوانی کہتے ہیں۔ آپ نے دیکھا کئی لوگ خودکشی کرتے ہیں، ہاتھ کی رگ کاٹ دی تو اس سے اتنا خون تو نہیں نکلتا کہ سارے جسم کا خون نچڑ گیا اور وہ مرگیا، موت کیوں ہوجاتی ہے؟ اس لیے ہوجاتی ہے کہ جن رگوں میں دھڑکن سے خون جارہا ہوتا ہے اگر ان ایک دو جگہوں سے کاٹ دو تو اس میں سے وہ بخارات خارج ہوجاتے ہیں جسے روحِ حیوانی کہتے ہیں، جو مادّی بدن کی حیات کا سبب ہے۔ جب وہ

بخارات خارج ہوتے ہیں تو بندہ مر جاتا ہے، حیوانات میں وہی روح ہے۔ چرند و پرند میں، اس باقی مخلوق میں، سوائے انسان کے، انسان میں وہ روحِ حیوانی بھی ہے اور ایک روح اسے عطا کی گئی جو عالم امر سے ہے۔ حقیقی انسان، علمائے حق فرماتے ہیں، جب "الانسان" کہا جائے تو مراد روح ہوتی ہے کیونکہ بدن محض روح کا لباس ہے۔ اور چونکہ اللہ نے اس کے لیے اپنے بہت قرب میں، بہت اعلیٰ جگہ بنائی ہے، اپنے قریب تر اور بہترین نعمتوں سے سجائی اور اعلیٰ ترین عالم امر کی روح عطا کی اور عالمِ امر کی روح سے انسان کو جو سابقہ پڑا تو جتنے اس کے باڈی سیل ہیں جن کا تعلق عالمِ امر سے ہوا، انسان میں تو سیل آتے رہتے ہیں، گرتے رہتے ہیں، جھڑتے رہتے ہیں آخرت میں ایسا نہیں ہوگا۔ سارے سیل جمع ہو جائیں گے، وجود انسانی بڑے بڑے ہوں گے۔ ایک حدیث شریف کا مفہوم ہے کہ احد پہاڑ جتنی کافروں کی ایک ایک داڑھ ہوگی۔ ایک بندہ ساٹھ سال، ستر سال، اسی سال، سو سال زندہ رہا اور اس کے وجود کے سیل تبدیل ہوتے رہے، سائنسدان کہتے ہیں دس کھرب سیل بدنِ انسان میں ہیں اور کوئی بھی سیل چھ مہینے سے زیادہ نہیں چلتا نئے بن جاتے پرانے جھڑ جاتے ہیں، ذرا حساب کر کے لائیے ہر چھ مہینے بعد دس کھرب نئے آتے ہوں تو اسی یا نوے یا سو سال میں کتنے کھربوں سیل ہوں گے۔ ان سیلوں میں بھی کتنوں نے اس کا ایمان میں بھی ساتھ دیا، کسی نے گناہ میں دیا، کسی نے سجدے میں بھی دیا تو جس جس نے جس جس کام میں جو شراکت کی اسی طرح ثواب بھی ہوگا اسی طرح کا عذاب بھی ہوگا۔ وہ سارے سیل جمع ہوں گے تو اندازہ کیجیے ایک تکلیف ہو، دانت میں درد ہے، سر میں درد ہے لیکن اس درد کی کتنی قسمیں ہوں گی کہ جن سیلوں کی جتنی شرکت کی ہے انہیں اتنا اتنا دکھ ہو رہا ہوگا تو کھربوں قسم کی ٹیسیں ایک درد میں ہوں گی۔ اسی طرح جنہیں انعام ملے گا تو کتنے سیلوں نے کتنی نیکی میں حصہ لیا، کتنے سیلوں نے کس عبادت میں حصہ لیا، کتنے سیلوں نے روزوں میں حصہ لیا، کتنے سیلوں نے حج میں حصہ لیا، اس اعتبار سے لذت کی قسمیں بھی کتنی ہوں گی کوئی نہیں گن سکتا۔ پھر چونکہ روح نے ہمیشہ رہنا ہے تو یہ جو سیل انسانی وجود کا حصہ بنے یہ بھی اس کے ساتھ ہمیشہ رہیں گے اور اگر لذتیں ہوں گی تو ہمیشہ راحت میں ہوں گی، کفر ہوگا تو عذاب ہمیشہ بھگتیں گے۔

فرمایا: مصیبت یہ ہے کہ اللہ انہیں رحمت سے توکلی طور پر محروم کر دے گا کوئی اُمید ہی نہیں رہے گی۔ انسان اُمید پر بھی بہت کچھ کاٹ جاتا ہے۔ تکلیف ہوتی ہے، دکھ ہوتا ہے بیماری ہوتی ہے ڈاکٹر آ جائے گا یہ ٹیکہ لگائے گا ٹھیک ہو جائے گا۔ کوئی مقدمہ بن گیا وہ فلاں بھائی آ جائے گا تو ٹھیک ہو جائے گا، فلاں شفارش کرے گا، کام ہو نہ ہو لیکن اُمید بندے میں ایک برداشت رکھتی ہے اور ایک آسرا رہتا ہے کہ خیر ہے ہو جائے گا۔ فرمایا، کافروں کے لیے تو دوزخ بھڑک رہی ہے اس میں انہیں رہنا بھی ہمیشہ پڑے گا اور کوئی اُمید انہیں وہاں پر نہیں رہے گی۔ اللہ کی رحمت سے نا اُمید، دوری، لعنت کر دی جائے گی۔ کوئی دوست، کوئی مددگار، کسی طرح کی کوئی اُمید نہیں۔ **يَوْمَ تُقَلَّبُ وُجُوهُهُمْ فِي النَّارِ يَقُولُونَ يَالَيْتَنَا أَطَعْنَا اللَّهَ وَأَطَعْنَا الرَّسُولَا** (66)۔۔۔ زندگی بھر الٹے کام کرتے رہے۔ اس دن نتائج بھگتنے ہوں گے، جہنم میں بھی انہیں الٹے منہ گھسیٹا جا رہا ہوگا۔ زندگی میں تمہارے بس میں تھا، تم الٹے چلتے رہے اس کا نتیجہ یہ ہے کہ یہاں اب تمہیں دوزخ میں مونہوں کے بل گھسیٹا جائے گا۔ اس وقت کہیں گے اے کاش! ہم نے اللہ کی اطاعت کی ہوتی، اللہ کے حبیب ﷺ کی اطاعت کی ہوتی۔ دنیا میں تو زندگی ہی گزارنی تھی تو کاش! ہم زندگی اللہ کی اطاعت میں بسر کرتے، نبی کریم ﷺ کا اتباع کرتے، اطاعت کرتے، اس رسوائی سے بچ جاتے۔

پھر کہیں گے اے اللہ! ہم نے تیری اطاعت نہیں کی تیرے رسول ﷺ کی اطاعت نہیں کی اس سے ہم محروم رہے لیکن۔ **وَقَالُوا رَبَّنَا إِنَّا أَطَعْنَا سَادَتَنَا وَكُبَرَاءَنَا** (67)۔۔۔ ہم نے سرداروں کی اور اپنے لیڈروں کی اطاعت ضرور کی۔ ہمارے بڑے اور ہمارے سربراہ اور ہمارے سردار اور راہنما خود گمراہ تھے۔ **فَأَضَلُّونَا السَّبِيلَا** (67) انہوں نے ہمیں گمراہی میں ڈال دیا، ہم ان کے پیچھے چلتے رہے، اُن کی بات مانتے رہے۔ فرعون کے بارے قرآن کریم بتاتا ہے ناں۔

يَقْدُمُ قَوْمَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَاَوْرَدَهُمُ النَّارَ ؕ وَبِئْسَ الْوِرْدُ الْمَوْرُوْدُ (سورۃ ھود: 98)۔۔۔قوم کی قیادت کررہا ہوگا، اپنی قوم کے آگے آگے ہوگا سب کو لے کر جہنم میں جا گرے گا۔ تو راہبر و رہنما، لوگوں کے بڑے، لوگ ان کی اطاعت کرتے ہیں، اُن کے پیچھے چلتے ہیں۔ اللہ کرے قوموں کے بڑے نیک اور دیندار اور صالح لوگ ہوں اور قومیں بھی صالح تیار ہوں۔ تو اس سے انہیں اندازہ ہوگا کہ ہم جنہیں بڑا سمجھتے رہے اور جن پر اُمیدیں وابستہ کرتے رہے کہ میری مشکلیں تو یہ کاٹے گا، میری مصیبتوں میں یہ کام آئے گا، میری یہ مدد کرے گا، اس نے تو ہمیں تباہ کر دیا، کاش! ہم نے رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کی ہوتی اور وہ ہمیں اللہ کی اطاعت سے آشنا فرماتے، پھر اللہ کریم سے عرض کریں گے۔ وَقَالُوْا رَبَّنَآ اِنَّآ اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَ كُبَرَآءَنَا (67) اے رب کریم! ہم نے اپنے بڑوں اور لیڈروں کی اطاعت کی ان کے پیچھے چلے۔ فَاَضَلُّوْنَا السَّبِيْلَا (67)۔۔۔ انہوں نے ہمیں گمراہ کر دیا۔ پھر گذارش کریں گے کہ اب ہم تو چھوٹ تو نہیں سکتے لیکن رَبَّنَآ۔۔۔ اے ہمارے پروردگار! اٰتِهِمْ ضِعْفَيْنِ مِنَ الْعَذَابِ (68)۔۔۔ ان لیڈروں کو دوگنا عذاب دے یا اللہ! یہ خود بھی گمراہ ہوئے، انہوں نے ہمیں بھی گمراہ کیا۔ ان کا جرم تو بہت زیادہ ہے انہیں ہم سے دوگنا عذاب دے۔ وَالْعَنْهُمْ لَعْنًا كَبِيْرًا (68) اور ہم پر بھی لعنت پڑ رہی ہے لیکن ان پر تو بہت بڑی لعنت برسا۔

یہ ہیں وہ حقائق جنہیں اگر ہم زندگی میں سمجھ لیں، سادہ سی حقیقت ہے۔ لاطاعة لمخلوق فی معصية الخالق (ترمذی)۔۔۔ مخلوق میں کوئی ایسا نہیں ہے جس کی بات اللہ کی بات کے خلاف مانی جائے۔ ایسی کوئی بات مخلوق کی ماننا جس میں اللہ کی نافرمانی ہوتی ہو اس کی کوئی گنجائش نہیں۔ مخلوق کی بات بھی اللہ کے حوالے سے مانی جاتی ہے کہ یہ اللہ کا حکم ہے، یہ اللہ کا طریقہ ہے، یہ اللہ کے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا راستہ ہے۔ فرمایا، زندگی میں تو بڑی اُمیدیں وابستہ کر کے اور بڑی خوشامدیں کر کے لوگوں کے ساتھ چلے، اب جب حقائق سامنے آئے تو اب کہتے ہیں کہ یا اللہ! ان پر دوگنا عذاب کر اور ان پر بہت بڑی لعنت برسا۔

قرآنِ کریم یہ حقائق آج ہم تک پہنچا رہا ہے۔ آج ہمیں فرصت نہیں ہے کل وہاں عمل کی مہلت نہیں ہوگی۔ زندگی کا کوئی لمحہ بھی اس کا آخری لمحہ ہو سکتا ہے اللہ توفیق دے تو فوراً رجوع الی اللہ کرنا چاہئے، اللہ کریم سے توبہ کرنی چاہئے۔

نبی کریم ﷺ کو ذاتی طور پر جاننا مسلمانی ہے۔ ہم خود جاننا چاہتے نہیں، ہم اپنی شناسائی نہیں بناتے، ہم خود مطالعہ نہیں کرتے، ہم خود سمجھتے نہیں، ہم پڑھتے نہیں تو کسی سے، علماء سے پوچھتے تو رہیں۔ اللہ کے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جب تک ہم ذاتی طور پر نہیں جانیں گے، ہمارا ذاتی رابطہ نہیں ہوگا کیسے اتباع کریں گے؟ سنی سنائی باتوں کو کون مانتا ہے؟ فلاں ایسا کہہ رہا تھا۔ یہ کہنا کہ فلاں مولوی صاحب بتا رہے تھے کہ نبی کریم ﷺ نے ہمیں یہ فرمایا۔ یہ کہنا کہ میرے نبی ﷺ کا یہ ارشاد ہے اس میں کتنا فاصلہ ہے؟ جن لوگوں نے پتھر برسائے طائف میں۔ اللہ نے ملک الجبال کو حکم دیا، وہ بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے کہ آپ ﷺ اجازت دیں تو ان پر پہاڑ اٹھا کر پھینک دوں۔ تو حضور ﷺ نے بارگاہِ الٰہی میں ان کے لیے معافی کی درخواست اور ان کے لیے بارگاہِ الٰہی میں کیا عذر پیش کیا؟ ان کی طرف سے عذر کیا ''رَبِّ اِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ'' اے میرے ربّ یہ مجھے جانتے نہیں ہیں۔ ان پر عذاب نازل نہ فرما۔ مجھے مکہ مکرمہ کا، قریش کا ایک نوجوان سمجھ کر کر رہے ہیں اگر یہ مجھے محمد رسول اللہ ﷺ جان جائیں، تو میرے قدموں میں جانیں نچھاور کر دیں۔ یہ میری نافرمانی اور زیادتی اس لیے کر رہے ہیں کہ یہ مجھے جانتے نہیں۔ اس لیے ان پر عذاب نازل نہ فرما۔ تو گویا اطاعت کے لیے واقفیت کا ہونا، جاننا شرط ہے۔ تو ہمیں چاہئے کہ زندگی کی سب سے بڑی حقیقت جاننے کے لیے ہم اپنی جان پہچان رسول اللہ ﷺ سے بنائیں، ذاتی طور پر جانیں، میرے نبی ﷺ ہیں، میرے رسول ﷺ ہیں، آپ ﷺ کے فضائل جانیں، آپ ﷺ کے ارشادات جانیں، براہ راست ذاتی طور پر، اپنا رابطہ، اپنا تعلق ہو تو تب جا کر بات بنتی ہے۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَآ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ O

4 جون 2015ء

شیخ المکرم کی مجلس میں سوال اور اُن کے جواب

الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ○ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی حَبِیْبِہٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ ○ اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

سوال: حرمِ نبوی علیٰ صاحب الصلوٰۃ والسلام کی حدود کہاں تک ہیں؟ مسجد نبوی تک ہیں یا باہر تک؟

جواب: حرمِ نبوی علیٰ صاحب الصلوٰۃ والسلام کی حدود اسی طرح ہیں جس طرح بیت اللہ شریف کی حدود شہر سے باہر دور دور تک ہیں۔ مکہ مکرمہ میں میرا خیال ہے قریب ترین جو ہے وہ منزل عائشہ صدیقہ ہے، مسجد عائشہ الصدیقہ ہے۔ اِدھر جدّہ کی طرف حدیبیہ کے مقام پر ہے۔ نشان لگے ہوئے ہیں۔ رکن یمانی کی طرف شاید پندرہ سولہ میل دور ہے۔ بہرحال حرم بیت اللہ کی جس طرح دور دور تک حدود ہیں اسی طرح مدینہ منورہ میں حرمِ نبوی کی بھی حدود باہر تک ہیں۔ بار ہا پڑھی ہیں مجھے اب جگہوں کے نام یاد نہیں۔ مسجد تک نہیں ہیں شہر سے باہر دور دور تک ہیں۔ دیکھ لیجئے کسی کتاب میں مل جائیں گی۔

سوال: کائنات میں ہر چیز کو بقا دراصل بقاباللہ کے انوارات کی بدولت ہے۔ نور کی تاریں ہر بے جان وجاندار اشیاء سے جڑی ہیں۔ سوال یہ ہے کہ کیا بے جان، جاندار اور اس میں اشرف المخلوقات سے ان کے رابطے میں کوئی فرق ہے؟ کیا وہ تعلق مع اللہ کے مختلف درجات بتاتی ہیں؟

جواب: یہ جو جھگڑا پڑا رہتا ہے اور بحث چلتی رہتی ہے اور کتابیں بھری پڑی ہیں اور جتنا پڑھتے جاؤ بندہ اور اُلجھتا چلا جاتا ہے۔ وحدت الوجود اور وحدت الشہود کا تو اس کی بنیاد یہیں سے شروع ہوئی۔ کُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ (سورۃ الرحمٰن: 26) جو کچھ بھی ہے کائنات میں اللہ کے سوا سب فنا ہونے والا ہے۔ کسی صاحب حال پہ جب اس آیت کی کیفیات وارد ہوتی ہیں تو اسے بجز ذاتِ باری کے کچھ نظر نہیں آتا، ہر چیز فنا ہو جاتی ہے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ جب یہ مراقبہ کرایا کرتے تھے تو فرمایا کرتے تھے کہ یہ ایک دن آنے والا ہے دیکھ لو ایسا ہی ہوگا کچھ باقی نہیں رہے گا۔ تو صوفیاء نے جو یہ نعرہ لگایا وحدت الوجود وہ یہیں کا ہے کہ ایک ہی وجود باقی رہنے والا ہے۔ باقی سب عارضی ہیں، وقتی ہیں، لمحاتی ہیں۔ جب تک اللہ چاہے گا باقی رہیں گے، جب اللہ چاہے گا، مٹ جائیں گے۔ لیکن جب صوفی بقا باللہ کا مراقبہ کرتا ہے۔ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ (سورۃ الرحمٰن: 26) تو جو صوفی دیکھتا ہے، مشاہدہ کرتا ہے وہ یہ ہوتا ہے کہ انوارات باری آتے ہیں، تجلیاتِ صفاتی آتی ہیں۔ ہر چیز کے ساتھ ان تجلیات کے نور کی ایک تار جڑی ہوتی ہے۔ جہاں زندگی کا تصور ہے اس کی بنیاد وہی بقا کا نور ہوتا ہے۔ بقاباللہ کا۔ اور یہ ضروری نہیں کہ بڑے بڑے وجودوں میں ہوتا ہے۔ ہر ذرے سے ہوتا ہے، ہر ذرے میں حیات موجود ہے۔ ہمارے لیے وہ بے جان ہے لیکن اللہ کی بارگاہ میں ہر شے جوابدہ ہے۔ اس کے ارشادات سُنتی بھی ہے۔ اپنا جواب عرض بھی کرتی ہے۔ تعمیل ارشاد بھی کرتی ہے۔ اب جہاں تک تعلق حیات کا ہے وہ تو سب میں ایک جیسا ہے۔ ہر ذرے میں ہے ہر پتے میں ہے۔ ہر جھاڑی، درخت میں ہے۔ گھاس کے ہر تنکے میں ہے۔ چاند، سورج، ستاروں، آسمانوں میں ہے، زمینوں میں ہے۔ ہر چیز میں ہر ذرے میں حیات ہے اور اس حیات کا تعلق انہی

انوارات سے ہے جو بقاباللہ سے آتے ہیں۔ حیات تو ہر چیز میں ایک جیسی ہے۔ آگے حیات کی اقسام اور اس کی قوت اس کی ترقی کی بات ہے تو اس میں، ان تاروں میں قوت اپنی اپنی ہے۔ کس کی حیات میں کتنی قوت ہے؟ آپ ایک چیز لگاتے ہیں تو اسے دو وولٹ کی بجلی دیتے ہیں دوسری لگائیں اسے دس وولٹ کی دیتے ہیں، ایک مشین لگاتے ہیں وہ شاید زیادہ وولٹیج لے، ایک مشین بہت کم وولٹیج پہ چلتی ہے۔ تو ان کی طاقت، اس فرد کی جس کی حیات کی بات ہورہی ہے وہ ذرہ ہے یا درخت ہے یا پرندہ ہے یا حیوان ہے یا انسان ہے۔ تو اس میں طاقت جو ہوتی ہے، اس تعلق میں، وہ اس حیات کے مطابق ہوتی ہے، کسی کی بہت کم کسی کی بہت زیادہ۔ لیکن اس کا تعلق حیات وموت سے ہے۔ اس کا تعلق قربِ الٰہی سے یا نیکی یا بدی سے نہیں ہے۔ جہاں حیات موجود ہے وہاں یہ تعلق موجود ہے۔ اور اسی کا مطالبہ دینِ برحق اسلام نے کیا ہے کہ جب تمہاری حیاتِ مستعار کا سبب اللہ کی تجلیات ہیں تو پھر تم اللہ کو چھوڑ کر دوسروں کو کیوں پکارتے ہو، ان کے سامنے کیوں سجدہ ریز ہوتے ہو؟ یہ اللہ ہی کا حق ہے۔ یہی فلسفہ ہے عقیدہ توحید میں۔ تو اب جتنی چیزیں بجلی سے چلاتے ہیں ان سب میں بجلی تو ایک ہی ہوتی ہے۔ لیکن اس کی وولٹیج مختلف ہوتی ہے۔ جتنی جس چیز کی کپیسٹی (Capacity) کی گنجائش ہے، اُتنی وولٹیج (Voltage) اسے دی جاتی ہے، زیادہ دیں تو جل جاتی ہے۔ اسی طرح کائنات کے ہر ذی روح میں اور ہر چیز میں روح ہے، ہر ذرے میں روح ہے۔ تو ہر ذرے کی اپنی حیثیت کے مطابق ان کی طاقت کم یا زیادہ ہوتی ہے۔ بنیادی طور پر وہی بقاباللہ کے انوارات کی تجلی ہوتی ہے۔

جہاں تک انسانی رابطوں کا تعلق ہے تو انسان ایک مکلف مخلوق ہے۔ اسے ایک خاص استعداد دی گئی ہے اگر وہ اپنی اس استعداد کے مطابق اللہ کی عظمت کو پہنچاتا ہے، اس کی عظمت بہت زیادہ ہے۔ کائنات میں کوئی دوسری چیز اس کا مقابلہ نہیں کرتی لیکن اگر وہ صرف جانوروں کی طرح زندہ رہتا ہے، معرفت الٰہی کا اہتمام نہیں کرتا، اللہ کے احکام کی تعمیل نہیں کرتا، عظمت باری کا اقرار نہیں کرتا تو ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِيْنَ (سورۃ التین:5) فرمایا: پھر وہ سب مخلوق سے نیچے ہے۔ اس سے بھی نیچے گر جاتا ہے کیونکہ اس کا جرم بن جاتا ہے کہ ایک استعداد ہونے کے باوجود، جن چیزوں کو معرفت کی استعداد ہی نہیں دی گئی انہوں نے تو معرفت حاصل نہیں کی، لیکن انسان استعداد ہونے کے باوجود جب اس طرح متوجہ نہیں ہوتا تو پھر وہ خلائق میں ادنیٰ چیزوں سے بھی نیچے گر جاتا ہے۔ تو یہ دو طرح کے تعلق ہیں، ایک تعلق محض زندگی اور حیات کا ہے اس میں تو سب برابر ہیں۔ سب کو نسبت حاصل ہے۔ تجلیاتِ باری سے حیات کا سبب ہی وہی ہیں۔ لیکن جہاں تک اس کا ادراک ہونا ہے اس میں انسان سب سے افضل ہے اور جب وہ ادراک نہیں کرتا، گرتا ہے تو سب سے نیچے چلا جاتا ہے۔ تو جو زندگی کی تاریں ہیں وہ تعلق مع اللہ نہیں بتاتیں، ان کا کام تعلق مع اللہ بتانا نہیں ہے، اس کا کام اس چیز کو حیات بخشنا ہے زندہ رکھنا ہے۔ تعلق مع اللہ کی نسبت الگ انوارات ہیں جن سے پتا چلتا ہے۔

سوال: نافرمانی نزولِ عذاب کا سبب بنتی ہے اور بنتی آئی ہے۔ لیکن اللہ کے غضب اور ذلت کا شکار قومیں آج پوری دنیا پر حکمرانی کررہی ہیں۔ اس کی کیا وجہ ہے؟

جواب: عزت وذلت حکومت یا اقتدار میں نہیں۔ حکومت یا اقتدار کے لیے یہ شرط ہے کہ اگر اس حکومت میں اللہ کی فرماں برداری ہو، وہ اللہ کے حکم کے مطابق ہو، اللہ کے دین کے مطابق ہو تو وہ حکومت عزت کا باعث ہے۔ حکومت واقتدار ہو اور اس میں اللہ کی نافرمانی ہو تو وہ مزید عذاب کا سبب ہے، مزید ذلت ورسوائی کا سبب ہے۔ حکومت تو فرعون کے پاس بھی تھی، شداد کے پاس بھی تھی جو بُری طرح تباہ ہوئے۔ ان پر عذاب نازل ہوئے۔ اور جتنی قومیں قرآنِ کریم میں جن کا تذکرہ ملتا ہے اور بہت سی ایسی قومیں ہیں جن کا ذکر اللہ کریم نے نہیں فرمایا، جو تباہ ہوئیں، غرق ہوئیں تو وہ ساری اقتدار میں تھیں۔ عذاب آیا اور تباہ ہوگئیں۔ تو محض اقتدار میں ہونا جو ہے یہ بجائے خود ایک عذاب

بن جاتا ہے۔ایک عام آدمی جس کے پاس اختیار نہیں ہے اس کی جواب طلبی اتنی ہوگی جتنا اس کے پاس اختیار ہے اور ایک حکمران کو اتنا جواب دینا پڑے گا جتنے لوگوں پر اسے اختیار ہے۔تو اقتدار واختیار ہوتے ہوئے بھی ذلت ورسوائی مقدر ہوتی ہے۔اب جن بے دین قوموں کے پاس اقتدار واختیار ہوتا ہے کیا ان کی عزتیں محفوظ ہیں؟ کیا ان کے گھروں میں سکون ہے؟ کیا ان کی اولادیں بڑی نیک اور فرمانبردار ہیں؟ کیا وہ حلال کھا رہے ہیں؟ اللہ کی نعمتیں جائز طریقے سے کھا رہے ہیں؟ کیا ان کی زندگیاں بڑی نیک اور پارسائی کا نمونہ ہیں؟ کچھ بھی نہیں ہیں۔ہر کام میں ان پہ ذلت سوار ہے۔پریشانیاں سوار ہیں۔زندگی میں سکون نام کا کوئی لمحہ نہیں ہے۔تو خالی اس اقتدار کو کوئی کیا کرے۔یہ تو اللہ کریم کی آزمائشیں ہیں۔کسی کو غربت ومفلسی دے کر آزماتے ہیں۔کسی کو دولت واقتدار دے کر آزماتے ہیں۔جیسا کہ ارشادِ باری ہے:فَاَمَّا الۡاِنۡسَانُ اِذَا مَا ابۡتَلٰىهُ رَبُّهٗ فَاَكۡرَمَهٗ وَنَعَّمَهٗ ۙ فَيَقُوۡلُ رَبِّىۡۤ اَكۡرَمَنِ ؕ‏﴿۱۵﴾ وَاَمَّاۤ اِذَا مَا ابۡتَلٰىهُ فَقَدَرَ عَلَيۡهِ رِزۡقَهٗ ۙ فَيَقُوۡلُ رَبِّىۡۤ اَهَانَنِ (سورۃ الفجر:15-16) کہیں بندے کو دولت،اختیارات، اقتدار دے دیتا ہے اور وہ اس پہ فخر کر رہا ہوتا ہے کہ میرے رب نے مجھ پر بڑی مہربانی کی اور کبھی تنگ دستی اور فقر بھیج دیتا ہے۔غریب کا اپنا امتحان ہے کہ اس مفلسی میں،اس غربت میں اللہ ہی کا دامن تھامتا ہے، اللہ کے دین پر عمل کرتا ہے یا غیر اللہ کے دروازے پہ جھک جاتا ہے۔ جسے اقتدار واختیار دیتا ہے اس کی آزمائش اپنی ہے کہ وہ اس اقتدار کو اللہ کی امانت سمجھ کر اللہ کے حکم کے مطابق چلاتا ہے یا اپنا اختیار سمجھ کر اپنی من مانی کرتا ہے۔تو محض اقتدار کا ہونا سربلندی نہیں۔تاریخ میں آدم علیہ السلام سے آرہا ہے کہ نیک حکمران بھی ہوئے،بدکار بھی ہوئے، مسلمان بھی کافر بھی۔یہ کوئی آج کی بات نہیں۔یہ ازل سے آرہا ہے، جب سے دنیا بنی ہے ایسا ہوتا چلا آرہا ہے۔ہمیں جو پریشانی ہے وہ یہ ہے کہ ہم خود کو مسلمان کہتے ہیں اور اُن حقوق کا وارث سمجھتے ہیں جو اللہ نے مسلمانوں کو دیئے تھے۔ہم سمجھتے ہیں کہ جس طرح صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو غلبہ ملا تھا اس طرح ہمیں بھی غلبہ ملنا چاہئے۔لیکن یہ صرف ہماری خواہش ہے۔ہم ان جیسا بننا پسند نہیں کرتے۔

علامہ ابن خلدون رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مقدمے میں ان باتوں پہ بحث کی ہے۔بڑی مزیدار بحث کی ہے اور بڑی عجیب بات یہ فرمائی ہے کہ جو قوم کسی دوسرے کا حلیہ یا لباس ہی پسند کر لے کہ لباس اس جیسا ہو، حلیہ اس جیسا ہو تو اس قوم کی بے شمار برائیاں اس کے ذہن سے نکل جاتی ہیں۔اور وہ اختیار کرتا چلا جاتا ہے پھر صرف لباس نہیں رہتا پھر بہت سی عادتیں ان کی اختیار کر لیتا ہے۔تو جب کوئی بندہ کسی دوسرے کا مقلد بنتا ہے،اس کی تقلید کرتا ہے،اس کے پیچھے چلتا ہے تو وہ خود سوچ لے کہ جس کے پیچھے چل رہا ہے اس کے برابر تو وہ نہیں ہوسکتا۔اس نے خود نیچے رہنے کی راہ اختیار کی۔اب آپ اپنی قوم کو دیکھ لیں کہ جس کے پاس صرف دو وقت روٹی آجائے اور لباس پرانا استعمال شدہ،لنڈے سے خریدنے کی بھی توفیق آجائے تو وہ غیر اسلامی حلیہ،غیر اسلامی لباس،غیر اسلامی شکل،کافروں کی مشابہت اختیار کرنے کی کوشش کرتا ہے اور اس میں اپنی عزت سمجھتا ہے۔اب جب آپ ان کے پیچھے لگ کر ان جیسا بننے میں عزت سمجھیں گے تو ظاہر ہے کہ وہ پیشوا ہیں،پیشوا تو بڑا ہوتا ہے تو آپ سے تو وہ بڑے ہوں گے پھر آپ کے مقدر میں تو غلامی ہی آئے گی۔کتنے لوگ ہیں ملک میں،عوام میں جو انگریزی بولتے ہیں،یا سمجھتے ہیں یا پڑھ سکتے ہیں؟ لیکن جب حکمرانوں کا قوم سے خطاب ہوتا ہے تو وہ انگریزی میں ہوتا ہے۔یہ نہیں ہے کہ لوگوں کو سمجھ آرہی ہوتی ہے بلکہ انہیں پتا ہے کہ لوگوں کو تو انگریزی کی ہوا بھی نہیں لگی،انہیں کیا خاک سمجھ آئے گی۔لیکن وہ ذہنا غلام بن چکے ہیں۔اور مزید یہ کہ مغربی آقاؤں کو خوش کرنے کے لیے انگریزی بولتے ہیں۔اب ہندوستان کا وزیراعظم اقوام متحدہ میں بھی گیا تو اس نے بات ہندی میں کی،اپنی زبان میں کی۔ ہمارے حکمران یہاں بھی بات کرتے ہیں تو انگریزی میں۔وہ غلامی ہمارے ذہنوں میں مسلط ہے۔جب کسی کو آپ اپنا لیڈر مان لیتے ہیں تو اس کے برابر تو نہیں ہوسکتے۔

صحابہؓ کا ایک وفد شاہی دربار میں کھانے پر مدعو تھا۔ حضور ﷺ کی دعوت اور پیغام لے کر گئے تو شاہی دعوت میں، کھانے پہ مدعو تھے۔ تو جواُن کے امیر تھے کھانا کھاتے ہوئے ان کے ہاتھ سے لقمہ گر گیا۔ انہوں نے وہ لقمہ اٹھایا اور اسے صاف کر کے کھالیا۔ جو ساتھ صحابیؓ بیٹھے تھے انہوں نے عرض کی کہ حضرت آپ ہمارے امیر ہیں۔ یہ شاہی دستر خوان ہے لقمہ گر گیا تو گر گیا۔ اب اٹھا کر کھانے کی کیا تک ہے۔ اس طرف بادشاہ، اور وزرا امراء بیٹھے ہیں یہ کیا سوچیں گے! انہوںؓ نے فرمایا میرے نبی ﷺ کی سنت ہے کہ لقمہ گر جائے تو اٹھا کر کھالو۔ مجھے سنت کی پرواہ ہے کسی دنیا کے بادشاہ کی پرواہ نہیں کہ یہ کیا سوچیں گے، کیا سمجھیں گے۔ میرے نزدیک اہمیت اس بات کی ہے کہ میرے نبی ﷺ کا طریقہ کیا ہے۔ مجھے قیصر و کسریٰ کی پرواہ کی ضرورت نہیں۔ اس چھوٹی سی بات سے اندازہ لگائیں کہ ان کا جو مرکز آرزو تھا وہ کیا تھا؟ کہ وہ نبی ﷺ جیسا فرماتے ہیں، ویسا بننا چاہتے تھے۔ کسی کو اچھا لگے یا نہ لگے۔ ہمیں ذرا سکت ہو تو ہم ویسا بننا چاہتے ہیں جیسا اہل مغرب ہیں۔ تو جب ہم پیچھے چلتے ہیں تو جو آگے ہوگا وہ تگڑا ہوگا۔ اقتدار اسی کے پاس ہوگا۔ ہم نے خود انہیں اقتدار دے رکھا ہے۔ ہم سے تو ہمارا قومی لباس بھی چھن گیا، قومی حلیہ بھی گیا، قومی عادتیں بھی چھن گئیں۔ ہم نے سب کچھ اُدھر سے اپنا لیا تو پھر ظاہر ہے جو اوپر ہے اقتدار اُسی کے پاس ہے۔ ہم نے انہیں اوپر چڑھا رکھا ہے۔

سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ لوگ زندگی تو فرعون کی جینا چاہتے ہیں موت موسیٰ علیہ السلام کی چاہتے ہیں۔ آج سے کئی سال پہلے ان کا یہ تجزیہ تھا۔ بات ان کی بڑی صحیح نظر آتی ہے کہ زندگی میں تو ہم فرعون بننا چاہتے ہیں کہ جو چاہیں موج کریں اور جیسا چاہیں کریں۔ موت آئے تو وہ موسیٰ علیہ السلام کی طرح آئے۔ اس طرح تو نہیں ہوتا۔ بھئی جیسی زندگی جیو گے ویسے حالات آئیں گے، ویسے نتائج ہوں گے۔ جو بوؤ گے وہ کاٹو گے۔ تو ان مغضوب علیہ اقوام کو اقتدار ملنا ہماری ذلت کہ ہم ان سے بھی زیادہ ذلت کے گڑھے میں گر گئے۔ آپ اپنی قوم کے حالات تو دیکھیں یار۔ ساری قوم کو چند سکوں کے لیے مردار کھلایا جا رہا ہے اور علی الاعلان کھلایا جا رہا ہے۔ بازاروں میں دکانوں پہ بک رہا ہے ہوٹلوں پہ پک رہا ہے کوئی پوچھنے والا نہیں۔ آپ اندازہ کیجئے اس قوم کا! غیر مسلم اقوام اگرچہ حلال حرام کی پرواہ نہیں کرتیں لیکن مضر صحت، میڈیکلی بندے کے لیے جو مضر ہے اس کو تو روکتے ہیں۔ کھانا حلال ہے یا حرام اس کی انہیں پرواہ نہیں لیکن صحت کے لیے مفید ہے یا مضر اس کی پرواہ ہے۔ اس کے لیے انہوں نے ادارے بنا رکھے ہیں۔ یہاں تو یہ بھی کوئی نہیں۔ بندوں کو زہر کھلایا جا رہا ہے۔ کارخانے لگے ہوئے ہیں جو چپس بناتے ہیں، دالیں بنتی ہیں، یہ فاسٹ فوڈز ان سب کے بارے، ٹیلی ویژن پہ دکھایا جا رہا ہوتا ہے کہ کس طرح ان میں مردار کی ہڈیاں اور چربی سے بنا آئل لگا کر پکائے جاتے ہیں۔ لیکن ہر بندہ بے دریغ کھائے جا رہا ہے۔ کسی کو پرواہ نہیں ہے حالانکہ ٹی وی والے یہ ساری تصاویر بھی دکھا رہے ہوتے ہیں اور بتا بھی رہے ہوتے ہیں کہ یہ ہو رہا ہے۔

ہمارے یہاں بہت گدھ ہوا کرتے تھے۔ پیچھے بڑے بڑے پہاڑ ہیں ان پہ رہا کرتے تھے اور ساری بستیوں میں گھوما کرتے تھے۔ ایک دن کسی نے کہا کہ یہ گدھ اب نظر نہیں آتے، شاید سارے مر گئے ہیں۔ میں نے کہا جی مر نہیں گئے ہیں، جانور وہاں رہتا ہے جہاں اُس کو خوراک ملتی رہے۔ اُن کے کوئی گھر، مکان، کوئی زمینیں تو ہیں نہیں۔ تو میں نے کہا کہ ہم دیکھتے تھے جو جانور مر جاتا تھا، حرام ہو جاتا تھا یا ہوتا ہی حرام تھا گدھا، گھوڑا، کتا، بلی یا گائے بھینس کوئی مر جاتی تھی تو لوگ باہر پھینک دیتے تھے اور کتنے گدھ آ جاتے تھے اور اُن کی خوراک بنتی تھی۔ اب کسی آبادی کے باہر کوئی مُردار ملتا ہے؟ حرام حلال کو کوئی نہیں پوچھتا سارے مُردار بندوں کو کھلا دیئے جاتے ہیں۔ تو جب گدھوں کی خوراک بھی آپ نے کھالی تو گدھ یہاں رہ کر کیا کریں گے وہ وہاں چلے جاتے ہیں جہاں انہیں خوراک ملے۔ آپ ساری آبادیاں پھر لو کوئی آپ کو اس میں کہیں مُردار نظر نہیں آئے گا۔ ایسے ادارے بنے ہوئے ہیں۔ ان کی

گاڑیاں پھرتی رہتی ہیں جہاں کوئی مُردار نظر آتا ہے اٹھا کر گاڑی میں ڈالتے ہیں، لے جاتے ہیں۔ گوشت بنا کر مسلمانوں کو کھلا دیتے ہیں۔ مسلمان بھی وہ رہ گئے ہیں جنہیں کوئی حلال حرام کی تمیز ہی نہیں، پرواہ ہی نہیں۔ پیسے نقد دے کر حرام کھاتے ہیں، عجیب بات ہے کوئی زبردستی نہیں کھلاتا، خود پیسے دے کر خریدتے ہیں۔

تو جب ہمارا یہ عالم ہوگا، ہمارا قبلہ ہی درست نہیں ہوگا۔ اللہ سے ہماری وفا مشکوک ہوگی، نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اتباع چھوٹ جائے گا۔ تو یہ تو دعائیں دو ان لوگوں کو جو کوئی خال خال رہ گئے ہیں کہ کم از کم اللہ اللہ کرتے ہیں اللہ کی بارگاہ میں سربسجود ہوتے ہیں، کچھ حلال حرام کا لحاظ رکھتے ہیں۔ تو کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جن کی وجہ سے ہمیں کچھ نہ کچھ سکون حاصل ہے اور کوئی اللہ اللہ ہو رہی ہے۔ ورنہ کثرت جن لوگوں کی ہے ان کی وجہ سے تو ہم سے اللہ کا نام بھی چھن جاتا۔ تو دنیا کا جو اقتدار ہے یہ مقابلے سے ملتا ہے، وہ بھی نصیب کی بات ہے لیکن مقابلہ کرنا پڑتا ہے مقابلے پہ کھڑا ہونا پڑتا ہے۔ تو جو لوگ کسی کے پیچھے چل پڑتے ہیں انہیں اقتدار پھر کیسے ملے۔ خیرات میں تو اقتدار کوئی نہیں دیتا۔ تو ہم نے جب غیر مسلم اقوام کے پیچھے چلنا اپنے لیے باعثِ فخر سمجھ لیا ہے تو اس کا مطلب ہے کہ ہم غلامی پہ مطمئن ہیں تو غلام تو اقتدار میں نہیں آتے۔ یہ بھی ہم سے پوچھا جائے گا آخرت میں کہ تمہاری وجہ سے اقتدار غیر مسلموں کے پاس رہا تم نے ایسا کیوں کیا؟ تم نے شعائرِ اسلام کو چھوڑ دیا، نبی کریم ﷺ کی صورت وسیرت کو چھوڑ دیا اور کفار جیسے حلیے بنانے پر فخر کرتے رہے۔ ان کی غلامی پہ نازاں رہے اور اسے اپنے لیے باعث عزت وتفاخر سمجھتے رہے۔ تمہارے اس رویے کی وجہ سے اقتدار غیر مسلم اقوام کے پاس رہا۔ تم نے ایسا کیوں کیا؟ یہ بھی جواب دینا پڑے گا۔

سوال: حضرت سلیمان علیہ السلام کے دربار کا ایک شخص پلک جھپکنے میں تختِ بلقیس اٹھا لایا۔ اس نے یہ کیسے کر لیا؟

جواب: (قہقہہ) آپ نے کون سی ملکہ بلقیس تاڑ رکھی ہے کہ آپ نے تخت اٹھا کے لانا ہے؟ یہ مہم آپ کو کب سے درپیش ہے کہ آپ خواہ مخواہ اس پہ لگے ہیں؟

یہ معجزہ سلیمان علیہ السلام کا ہے۔ قرآنِ کریم میں جہاں یہ تذکرہ آتا ہے تو اس آیت کریمہ میں آتا ہے کہ جب وہ تخت آ گیا تو سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ اللہ کی طرف سے انعام ہے اور آزمائش ہے میرے لیے کہ میں اس پر اللہ کا شکر کرتا ہوں یا نہیں کرتا۔ تو گویا یہ بتایا گیا ہے کہ ان کے جو خادم تھے، یا مصاحب تھے، یا شاگرد تھے اللہ نے ان میں بھی یہ قوت رکھی تھی۔ جب وہ تخت آ گیا تو سلیمان علیہ السلام نے فرمایا: ءَاَشْكُرُ اَمْ اَكْفُرُ۔ (سورۃ النمل: 40) کہ یہ میرے لیے آزمائش ہے کیا میں اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں یا ناشکری کرتا ہوں۔ تو دراصل معجزہ تو نبیؑ کا تھا جب صحابیؓ کے ہاتھ پر صادر ہوا تو ان کی کرامت بن گئی۔ اب یہ سوال کہ وہ کیسے آیا اس پر کسی کتاب میں کوئی بحث نہیں ملتی، سب یہی بتاتے ہیں کہ پلک جھپکنے سے پہلے وہ تخت وہاں موجود تھا۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی محفل میں کئی دفعہ یہ بات ہوئی۔ لوگ پوچھتے تو رہتے ہیں تو حضرت فرمایا کرتے تھے کہ انہوں نے جو قلب کے انوارات تھے وہ تخت پر القا کر کے اس میں تخت کو لپیٹا اور ان انوارات کو سلب کیا تو وہ تخت ساتھ چلا آیا۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کوئی بات بلا تحقیق نہیں فرمایا کرتے تھے اور قرینِ قیاس بھی ہے۔ اور عقل بھی اس بات کو قبول کرتی ہے کہ کوئی مشین یا ذریعہ، کوئی رسہ کچھ نہیں ڈالا گیا تھا۔ تو ان کے انواراتِ قلبی میں اتنی قوت تھی انہوں نے جب اس پر القا کیے اور پھر واپس سلب کیے تو ساتھ تخت بھی آ گیا اور وہ کوئی معمولی تخت نہیں تھا۔ اس وقت شہر پناہیں ہوتی تھیں، شہروں کے گرد قلعے بند دیواریں ہوتی تھیں پھر شاہی محلات کا اپنا الگ قلعہ ہوتا تھا۔ اس قلعے میں پھر الگ الگ دربار، دربارِ عام دربارِ خاص، فلاں فلاں، الگ الگ، اندر چھوٹے قلعے بنے ہوتے تھے۔ تو بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ وہ سات قلعوں کے اندر تھا۔ اور وہ اسی طرح بن جاتے ہیں۔ ایک شہر پناہ ہے پھر اندر شاہی محل کا الگ قلعہ ہے۔ پھر محل کے اندر الگ قلعے ہیں تو پھر وہ چھوٹا موٹا بھی نہیں تھا کہ دروازے سے کسی نے اٹھا کے نکال لیا۔ تو اتنی دیواروں سے اور اتنی رکاوٹوں سے وہ کیسے نکلا؟ بہت

بڑا تخت تھا۔ ہیرے جواہرات سے مرصع تھا، سونے چاندی کا بنا ہوا تھا۔ تو بس وہ ان کی کرامت تھی کہ جب انہوں نے انوارات میں لپیٹ کر انوارات واپس سلب کیے تو ساتھ آ گیا تو اس میں تو کوئی دیر نہیں لگی تھی۔ تو یہ معجزہ تھا سلیمان علیہ السلام کا اور کرامت تھی ان کے اس صحابی آصف بن برخیا کی۔ یہی شاید نام لکھا گیا ہے۔ اللہ بہتر جاننے والے ہیں۔ تو یہ عظمت نبیؑ کی برکات اور نسبت سے حاصل کی تھیں انہوں نے۔ جتنا کوئی نبیؑ کے ارشادات میں ڈھلتا جاتا ہے پھر اُسے وہ برکات نبوّت بھی نصیب ہوتی تھیں۔

احکام اور اُن کی اطاعت کا اپنا مقام ہے اور وہ کیفیات جو نبی علیہ السلام کے الفاظ مبارک میں ہیں ان کا حصول ایک الگ شعبہ ہے تو ان کے پاس دونوں باتیں تھیں۔ نبیؑ کے ارشادات بھی تھے اور نبیؑ کی برکات بھی تھی اور اس قوت کی تھیں۔ تاریخِ اسلام میں آپ صحابہ کرامؓ کے کارنامے پڑھیں تو آپ کو روزِ اوّل سے، بدر سے ہی پتا چل جائے گا کہ کس طرح تجربہ کار جنگجو، ایک ہزار (1000) کا لشکر جو چُن کر مکہ والے لائے تھے وہ تین سو تیرہ (313)، جن میں کچھ بزرگ تھے اور کچھ بچے تھے۔ انہوں نے ان پر کیسے فتح پالی۔ انہوں نے ستر (70) کو قتل کر دیا۔ ستر (70) کو قیدی بنالیا۔ ایک سو چالیس (140) بندہ انہوں نے ایک دن کی جنگ میں ان کا لے لیا۔ کیسے لے لیا؟ جبکہ خود صحابہؓ میں سے صرف چودہ شہید ہوئے۔ تو کیا قوت تھی ان کے پاس، ان بوڑھوں، ان چھوٹے بچوں، ان لڑکوں کے پاس کیا قوت تھی؟ اسی طرح آپ تاریخ اسلام کو، صحابہ کرامؓ کے عہد کو دیکھتے جائیں تو جزیرہ نمائے عرب سے اٹھ کر قیصر و کسریٰ کی سلطنتوں کو الٹ دینا یہ عقلاً محال نظر آتا ہے۔ ان کی شاہی طاقتیں، ان کے علاقے، ان کی دولت، ان کے لاؤ لشکر، ان کی فوجوں کا حساب نہیں کیا جا سکتا۔ قیصر کے تین لاکھ فوجیوں سے تیس ہزار (30,000) صحابہؓ لڑے۔ تین لاکھ کتنے ہیں اور تیس ہزار کیا ہیں؟ اور جیت تیس ہزار کو ہوتی ہے۔ کمال ہے! ایسا بھی کیا گیا کہ قیصر نے اپنے فوجیوں کو لوہے کی زرہیں پہنا کر اُن کے درمیان زنجیر باندھ دی کہ ایک کی زرہ سے دوسرے کی زرہ میں زنجیر تھی کہ ہل نہ سکیں۔ بھاگ نہ سکیں، لڑیں ان کو بھاگنے کی گنجائش ہی نہ ہو۔ تو وہ بے دردی سے قتل ہو گئے۔ بھاگ بھی نہیں سکتے تھے۔ تو ان لوگوں میں یہ قوت، یہ کراماتی طاقت کہاں سے آ گئی؟ یہ نسبت نبوّت تھی۔ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات ہیں جو بطور کرامت صحابہ کرامؓ کے ہاتھوں صادر ہوئے۔ اس لیے کہ انہیں فنافی الرسول حاصل تھا۔ ان کا جینا مرنا، لباس، کھانا پینا، کاروبار، گھر کے معاملات، باہر کے معاملات، ملک کے معاملات، قومی معاملات، بین الاقوامی معاملات ہر حال میں ان پر رسالت پناہی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کا رنگ غالب تھا۔ ان کے ایمانیات اور عقائد و نظریات اور ان کے دل کی کیفیات میں بھی عظمتِ رسالت غالب تھی۔ آج ہمارے قلبی کیفیات سے لے کر ظاہری لباس تک اور بول چال تک اور کھانے پینے تک میں غیروں کی غلامی ہے قدم قدم پر۔ ہم کیسے مقابلہ کر سکتے ہیں؟ آج بھی ہم اگر بدل جائیں تو وہ رحمتِ الٰہی تو وہیں باقی ہے وہ برکاتِ نبوّت تو وہیں باقی ہیں۔ ہم آج بھی اپنا سکتے ہیں اور آج بھی تختِ بلقیس لایا جا سکتا ہے لیکن کوئی آصف بن برخیا بنے نا!

سوال: قرآنِ کریم کی آیات دو طرح کی ہیں۔ محکمات جن کا مطلب واضح ہے۔ دوسری متشابہات جن کا مفہوم غیر واضح ہے۔ کچھ صوفیائے کرام کا کہنا ہے کہ یہ دوسری قسم کی آیات خواص کے لیے ہیں، براہ کرم وضاحت فرما دیں؟

جواب: نہیں۔ قرآنِ کریم تو تمام انسانوں کے لیے ہے اور جب دعوت دیتا ہے تو یَآیُّھَا النَّاسُ کہتا ہے، صرف مومن ہی کی بات نہیں کرتا ساری اولادِ آدم کی بات کرتا ہے۔ اب جو قرآن سے رشتہ جوڑتا ہے، یعنی ایمان لاتا ہے وہ خواہ کسی طبقے کا ہو، کسی فرقے کا ہو، کسی ملک، کسی قوم کا ہو وہ قرآن سے مستفید ہوتا ہے۔ آیاتِ قرآنی، محکمات واقعی ہیں، واضح جن کا مطلب ہر آدمی کو سمجھ آتا ہے۔ متشابہات ان آیات کو کہتے ہیں جن کے مفاہیم عام آدمی کی رسائی سے باہر ہوتے ہیں۔ لیکن اللہ کے ایسے بندے ہیں جنہیں اللہ کریم نے وہ مفاہیم بھی سمجھا دیے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ مفہوم بھی سمجھا دیئے۔ صحابہ کرامؓ مفاہیم کو جانتے تھے۔ علمائے حق ان مفاہیم سے آگاہ ہوتے ہیں۔ لیکن قرآن

کے دو انداز ہیں۔ ایک ہے قرآن کی آیات کے مطلب کو، اس میں دیئے گئے حکم کو، یا طریقے کو سمجھنا۔ ایک ہے قرآن کی تلاوت کے ساتھ قرآنی الفاظ میں جو برکات ہیں ان سے مستفید ہونا یعنی الفاظ بھی پڑھے جائیں اور ان الفاظ میں جو کیفیات ہیں وہ بھی دل پر وارد ہوں۔ تو وہ جو کیفیات آب حیات کی طرح ہیں وہ جس کو سمجھ آئیں، جس کو نہ آئیں دونوں کے دلوں پر وارد ہوتی ہیں۔ اب جیسے حروف مقطعات ہیں تو وہ تو کسی کو بھی سمجھ نہیں آتے۔ اللہ جانے، اللہ کا رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام جانے یا اللہ کے کوئی بندے جانیں۔ لیکن پڑھتا تو ہر کوئی ہے اور پڑھنا سب کے لیے ضروری بھی ہے۔ مطلب سمجھ نہیں آتا۔ الٓمٓ۔ حٰمٓ۔ کٓھٰیٰعٓصٓ کوئی مطلب نہ کسی نے لکھا نہ بتایا نہ ہمیں آتا ہے۔ الٓرٰا اس طرح کے بہت سے حروف مقطعات ہیں لیکن تلاوت ضروری ہے کہ ان کی وجہ سے جو انوارات و برکات اور کیفیات دل پہ وارد ہوتی ہیں وہ ہر اس دل پہ، جو جانتا ہے اس پہ زیادہ ہوتی ہیں جو نہیں جانتا محروم وہ بھی نہیں رہتا۔

تو اس طرح متشابہات کے مفاہیم کو سمجھنا تو اہل علم کا کام ہے، جسے اللہ سمجھ دیتا ہے جو متقدمین سے حاصل کرتا ہے، ہر کسی کو سمجھ نہیں آتی۔ لیکن ان کی تلاوت کی کیفیات ہر مومن کے دل پہ وارد ہوتی ہیں تو آدمی کو اس بحث میں نہیں پڑنا چاہئے کہ اس آیت کا مفہوم کیا ہے۔ اگر اسے چاہیے تو اہلِ حق سے اور علمائے حق سے سوال کرے اور سیکھے۔ تو جہاں تک فائدے یا استفادہ کرنے کا تعلق ہے تو ہر مومن ان سے استفادہ کرسکتا ہے اور کسی نے شاید فرمایا ہو یہ خواص کے لیے ہیں یا عوام کے لیے۔ قرآن سارا تو ساری انسانیت کے لیے ہے۔ ماننے کے لیے بھی، سمجھنے کے لیے بھی، عمل کرنے کے لیے بھی۔ لیکن ہر شعبے کی ہر چیز، ہر ایک کو سمجھ نہیں آتی لیکن لوگ اس سے استفادہ کر لیتے ہیں۔ ہر بندہ ہوائی جہاز اڑا نہیں سکتا لیکن ہوائی جہاز پہ سفر کر لیتا ہے۔ ہر بندہ بس یا کار چلا نہیں سکتا لیکن اس پہ سفر کر لیتا ہے، تو ہر بندہ ان علوم کا فاضل نہیں ہوتا لیکن اُن کے ذریعے جنت میں جاسکتا ہے، اپنا سفر تو کرسکتا ہے۔ پائلٹ نہیں ہے تو کیا ہوا جہاز پہ سفر تو کرسکتا ہے۔ تو انہیں مان کر، ان پر عمل کر کے ایمان رکھ کر ہر بندہ اپنی منزل پہ تو جاسکتا ہے۔ متشابہات میں کچھ آیات ایسی ہیں جو قرآنِ کریم میں موجود ہیں لیکن ان پہ عمل منسوخ ہوچکا ہے۔ کچھ آیات ایسی ہیں جن پر عمل ضروری ہے لیکن وہ آیات منسوخ ہوچکی ہیں۔ قرآن میں وہ آیت موجود نہیں ہے۔ تو یہ باریکیاں علمائے حق کا کام ہے، اہلِ علم کا کام ہے۔

میرے پاس گاڑی ہے اللہ نے مجھے دی ہوئی ہے۔ میں بہت اچھا ڈرائیور بھی ہوں۔ میں نے 1945ء پاکستان بننے سے پہلے ڈرائیونگ سیکھی تھی، پاکستان 1947ء میں بنا۔ میں اُس وقت گاڑی چلاتا تھا اور آج 2015ء آگیا ہے۔ لیکن میری گاڑی میں ذرا سی خرابی آجائے مجھے پتا کوئی نہیں ہوتا۔ اتنا عرصہ ہوگیا گاڑی چلاتے۔ پاکستان کا تو میں نے، کراچی سے لے کر شمالی علاقہ جات تک تمام سرحد کے علاقے اور یہ جہاں پر آج کاروائیاں ہورہی ہیں میں نے اپنی گاڑی پہ یہاں سفر کیے ہیں۔ خود ڈرائیونگ کی ہے مشکل ترین راستوں پر، لیکن اس کے انجن کی کوئی خرابی کا مجھے کوئی پتا نہیں۔ اس کے لیے مستری تلاش کرنا پڑتا ہے۔ تو علوم کے لیے صاحبِ علوم کے پاس جانا پڑتا ہے، علمائے حق کی خدمت میں جانا پڑتا ہے اور یہ جاننا اُنہی کو زیبا ہے جنہیں اللہ نے علوم دین عطا فرمائے ہیں۔ ہمارے لیے یہ ضروری نہیں۔ ہمارے لیے یہ ضروری ہے کہ ہم یقینِ محکم کے ساتھ، جیسا علماء نے یا جیسا حضور ﷺ نے ان کی وضاحت کی ہے، دین پر عمل کر کے اُن سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ قربِ الٰہی پاسکتے ہیں رضائے الٰہی پاسکتے ہیں۔ جنت میں جاسکتے ہیں۔ تو یہ مختص کرنا کچھ آیات خواص کے لیے، کچھ عوام کے لیے یہ مجھے سمجھ نہیں آتا۔ میں سمجھتا ہوں کہ سارا قرآنِ کریم عوام الناس کے لیے، تمام بنی آدم کے لیے ہے۔ قرآن ان کے لیے بھی ہے جو نہیں مانتے۔ جب مان لیں وہ ان کو قبول کر لیتا ہے، تو اللہ کریم ہماری نسبت قرآنِ کریم سے قائم رکھے اور ہمیں اس کے علوم سے بہرہ ور فرمائے۔ اس پر عمل کی توفیق دے اور اس پر نجات کا سبب بنائے۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ O

۞۞۞

خواتین کا صفحہ

حضرت خولہ رضی اللہ عنہا بنت حکیم

"سیر الصحابیاتؓ مع اُسوۂ صحابیات" سے ماخوذ

نام ونسب:

خولہ نام، ام شریک کنیت، قبیلہ سلیم سے تھیں، آنحضرت ﷺ کی خالہ ہوتی ہیں۔ ❶ نسب نامہ یہ ہے خولہ بنت حکیم بن امیہ بن حارثہ بن الاقص بن مرہ بن ہلال بن فالج بن ذکوان بن ثعلبہ بن بہثہ بن سلیم۔

نکاح:

حضرت عثمانؓ بن مظعون سے جو بڑے رتبہ کے صحابی تھے، نکاح ہوا۔

عام حالات:

مسلمان ہوکر مدینہ کو ہجرت کی۔ 2ھ میں غزوۂ بدر کے بعد حضرت عثمانؓ بن مظعون نے وفات پائی تو حضرت خولہؓ نے دوسرا نکاح نہیں کیا۔ اکثر پریشان رہتی تھیں۔ صحیح بخاری میں روایت آئی ہے کہ انہوں نے اپنے کو آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پیش کیا تھا۔ ❷

فضل وکمال:

آنحضرت ﷺ سے پندرہ حدیثیں روایت کیں، راویانِ حدیث میں حضرت سعدؓ ابن ابی وقاص، سعید بن مسیب، بشر بن سعید، عروہ اور ربیع بن مالکؒ داخل ہیں۔

اخلاق:

اسد الغابہ میں ہے "كَانَتْ اِمْرَاَةً صَالِحَةً"، "وہ ایک نیک بی بی تھیں۔" مسند میں ہے "تَصُوْمُ النَّهَارَ وَتَقُوْمُ اللَّيْلَ"، "یعنی دن کو روزہ رکھتی اور رات کو عبادت کرتی تھیں۔"

ابتدا زیور کا بڑا شوق تھا۔ چنانچہ ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ سے عرض کی کہ اگر طائف فتح ہوتو آپ مجھ کو فلاں عورت کا زیور دے دیجئے گا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا، اگر خدا اس کی اجازت نہ دے تو پھر میں کیا کرسکتا ہوں۔ ❸

حضرت حمنہ رضی اللہ عنہا بنت جحش

نام ونسب:

حمنہ نام، حضرت زینبؓ کی ہمشیر ہیں، قبیلہ مخزوم سے ہیں۔ سلسلہ نسب یہ ہے، حمنہ بنت ابی سلمہ عبداللہ بن عبدالاسد بن عمرو بن مخزوم بنت جحش۔

نکاح:

حضرت مصعبؓ بن عمیر سے نکاح ہوا۔

اسلام:

اور ان ہی کے ساتھ دائرہ اسلام میں داخل ہوئیں۔

عام حالات:

مدینہ کی ہجرت کا شرف حاصل کیا اور جب آنحضرت ﷺ نے مہاجرینؓ اور انصارؓ کی عورتوں سے بیعت لی تو اس میں یہ بھی شامل ہوئیں، مسند ابن حنبل اور ابن سعد وغیرہ میں اکثر عورتوں کے تذکرہ میں لکھا ہے کہ "كَانَتْ مِنَ الْمُبَايِعَاتِ"، اس سے یہی بیعت مراد ہے۔

غزوات میں سے احد میں نہایت نمایاں شرکت کی، وہ پانی پلاتیں اور زخمیوں کا علاج کرتی تھیں، ان کے علاوہ اور عورتیں بھی یہ خدمت انجام دے رہی تھیں، چنانچہ رفیدہؓ اور اُم کبشہؓ وغیرہ کی نسبت بھی اسی

---

❶ مسند، ج:6، ص:409 ❷ بخاری، ج:2، ص:761 باب ہل للمرأۃ ان یہب نفسہا لاحد، تہذیب، ج:2، ص:215 ❸ اصابہ، ج:8، ص:70

قسم کی تصریحات موجود ہیں۔

اس واقعہ میں حضرت حمنہؓ کے شوہر حضرت مصعبؓ بن عمیر نے شہادت پائی، جن کے بعد انہوں نے حضرت طلحہؓ سے جو کہ عشرہ مبشرہؓ میں تھے، نکاح کیا۔

افک کے واقعہ میں منافقین کے ساتھ غلطی سے جو مسلمان شریک ہوگئے تھے، ان میں حضرت حسانؓ اور حضرت مسطحؓ کے ساتھ حضرت حمنہؓ بھی تھیں، چنانچہ صحیح بخاری میں حضرت عائشہؓ سے منقول ہے۔ ❶

وَطَفِقَتْ أُخْتُهَا حَمْنَةُ تُحَارِبُ لَهَا فَهَلَكَتْ فِيمَنْ هَلَكَ مِنْ أَصْحَابِ الْإِفْكِ

"یعنی حضرت زینبؓ کی بہن حمنہ برابر میرے خلاف رہیں، یہاں تک کہ اور اصحاب افک کی طرح برباد ہوئیں۔"

فتح الباری میں ہے کہ حضرت حمنہؓ کے شریک ہونے کی وجہ یہ تھی کہ حضرت عائشہؓ کو آنحضرت ﷺ کی نظروں سے گرا کر حضرت زینبؓ (اپنی بہن) کو بلند کریں۔ ❷ لیکن تعجب ہے کہ خود حضرت زینبؓ نے اس موقع سے فائدہ نہیں اٹھایا۔

وفات:

وفات کا سنہ صحیح طور پر معلوم نہیں، اتنا علم ہے کہ حضرت زینبؓ کی وفات تک زندہ تھیں، حضرت زینبؓ نے 21ھ میں وفات پائی ہے۔

اولاد:

حضرت طلحہؓ سے حضرت حمنہؓ کے دولڑکے پیدا ہوئے، محمد اور عمران، محمد کو سجاد کے لقب سے شہرت تھی۔

---

❶ صحیح بخاری، ج:2،ص:596 ❷ فتح الباری، ج:8،ص:367

دعائے مغفرت

1۔ بھمبر آزاد کشمیر سے سلسلہ عالیہ کے ساتھی محمد اکرم

2۔ فیصل آباد سے سلسلہ عالیہ کے ساتھی پروفیسر رائے چراغ محمد

3۔ سیالکوٹ سے سلسلہ عالیہ کی ساتھی مسز عبدالرزاق جج

وفات پا گئے ہیں۔ دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

ضرورت شیخ، بقیہ صفحہ نمبر 38 سے آگے

جس نے سینہ بہ سینہ مشائخِ عظام سے وہ برکات حاصل کی ہوں، جو وجودِ آقائے نامدار ﷺ سے ضوفشاں ہیں اور آپ ﷺ کے قلبِ اطہر سے بحرِ بے کراں کی طرح بہتی ہیں۔ جنہیں صحابہؓ نے حاصل کیا، تابعین نے اور تبع تابعین نے حاصل کیا۔ اللہ کے بے شمار بندوں نے ان برکات سے قلوب روشن کیے، برکات حاصل کیں لیکن ہر کوئی ایسا نہ تھا کہ ان برکات کو آگے تقسیم بھی کر سکتا۔ جس طرح بارش برستی ہے تو سارے کھیت سیراب ہوجاتے ہیں لیکن زمین کے کچھ حصے ایسے بھی ہوتے ہیں جو اتنا پانی جمع کر لیتے ہیں کہ اس جگہ سے بہہ بہہ کر دوسرے کھیت بھی سیراب ہوتے ہیں، کچھ ایسے حصے ہوتے ہیں جیسے بند باندھ دیے گئے ہوں، وہ تالابوں اور جھیلوں کی طرح بھر جاتے ہیں اور دوسروں کی سیرابی کے کام آتے ہیں۔ مشائخ کا وجود ایسا ہی ہوتا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے قلوب کو برکاتِ نبوّت سے اتنا بھر لیا کہ دوسروں کی روح کو سیراب کرنے کا سبب بن گئے۔ یہ روحِ علوی کو ایمان و یقین کی قوت سے لبریز رکھنے کا ایک طریقہ اور سلیقہ ہے۔

(اکرم التفاسیر، پارہ:14، سورۃ الحجر، جلد:14 ص:38،37)

ضرورت رشتہ

شیخ فیملی کی لڑکی، عمر 25 سال حافظ قرآن، تعلیم ایم ایس سی ٹیکسٹائل ڈیزائننگ، کے لیے لاہور سے سلسلہ عالیہ سے تعلق رکھنے والے نیک، شریف، دیندار، برسرروزگار صاحب کا رشتہ درکار ہے۔ خواہشمند حضرات مندرجہ ذیل نمبروں پر شام 4 بجے سے رات 10 بجے کے دوران رابطہ کریں۔

0333-4730931,0331-4394401

ضرورت رشتہ

ہماری بیٹی عمر 24 سال، تعلیم ایم فل سٹوڈنٹ، قد 5 فٹ 3 انچ کے لیے رشتہ درکار ہے۔ لاہور کے رہائشی اور سلسلہ عالیہ سے تعلق رکھنے والے حضرات کو ترجیح دی جائے گی۔ خواہشمند حضرات مندرجہ ذیل نمبروں پر رابطہ کریں۔

0300-8164683,03136944552

ضرورتِ شیخ

انتخاب: محمود خالد، بہاولنگر

علمائے ربانی نے مختلف قرآنی آیات اور احادیث مبارکہ سے "ضرورتِ شیخ" کو ثابت فرمایا ہے۔ حضرت شیخنا المکرم امیر مولانا محمد اکرم اعوان صاحب مدظلہم و برکاتہم نے خداداد علم (علم لدنی) کی بدولت دو مختلف آیاتِ کریمہ سے استدلال فرمایا ہے، ملاحظہ ہوں۔

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

اِنَّمَا یَسْتَاْذِنُكَ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَارْتَابَتْ قُلُوْبُهُمْ فَهُمْ فِیْ رَیْبِهِمْ یَتَرَدَّدُوْنَ (سورۃ التوبہ:45)

ترجمہ: بے شک آپ سے وہی لوگ رخصت چاہتے ہیں جو اللہ پر ایمان نہیں لائے اور نہ آخرت کے دن پر اور ان کے دلوں میں شک پڑے ہوئے ہیں سو وہ اپنے شک میں ڈانواں ڈول ہو رہے ہیں۔

شک، ایمانیات کا کینسر:

دلوں میں شک کا آجانا روح کا کینسر ہے کہ جس طرح بدن کا کینسر مہلک ہے اسی طرح یہ ایمانیات کے لیے مہلک ہے۔ اِنَّمَا یَسْتَاْذِنُكَ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ --- آپ ﷺ سے بہانے کر کے جو رخصتیں چاہتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جنہیں نہ اللہ پر ایمان نصیب ہے نہ آخرت پر یقین ہے۔ وَارْتَابَتْ قُلُوْبُهُمْ --- ان کے دلوں میں شک کی بیماری ہے۔ یہ کہتے ہیں پتا نہیں کیا ہوگا، قبر کا سوال و جواب کس نے دیکھا ہے، عذاب و ثواب کب ہوگا، کیسا ہوگا کس کو خبر ہے؟

کیسی عجیب بات ہے کہ بندہ اللہ کی بات چھوڑ کر، نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام پر اعتماد چھوڑ کر اپنی نظر پر بھروسہ کرے۔ ہماری نظر کی کیا حیثیت ہے؟ ہمارے دیکھنے کی، ہماری بصارت کی تو ایک حد ہے۔ ہم جسے دور سے دیکھ کر کوئی عظیم الجثہ جانور سمجھتے ہیں قریب جائیں تو وہ جھاڑی ہوتی ہے۔ تو اگر ہم اپنی نظر سے دیکھ بھی آتے تو کیا ہمارا دیکھنا قابلِ اعتماد ہوتا؟ نبی ﷺ کا دیکھنا حقیقی ہے۔ آپ ﷺ پر اعتماد، یقین عطا کرتا ہے۔ جو نبی ﷺ نے دیکھا وہ ہمارے دیکھنے سے کروڑوں درجے زیادہ سچا اور یقینی ہے۔ ہمارے دیکھنے میں غلطی ہو سکتی ہے، حضور ﷺ کے فرمانے میں کوئی غلطی نہیں ہے۔ آپ ﷺ کے ارشادات ہر غلطی سے پاک اور مبرا ہیں کہ حضور ﷺ نے وہی فرمایا جو اللہ کریم نے آپ کو فرمانے کا حکم دیا۔ پھر اس پر مزید کسی کے دیکھ کر آنے کی کیا ضرورت ہے؟ حضور ﷺ کا ایمان اتنا کامل ہے کہ کائنات کے لیے کافی ہے، اس کے باوجود حضور ﷺ کو اللہ کریم اس جسدِ عالی کے ساتھ عالمِ بالا لے گئے، جنت و دوزخ ملاحظہ فرمایا، عذاب و ثواب ہوتے دیکھا۔ حضور ﷺ اخروی حقائق کے چشم دید گواہ ہیں۔ آپ ﷺ خود مشاہدہ فرما کر، دیکھ کر آئے ہیں۔ یعنی اگر کسی کو یہ گواہی چاہیے کہ کوئی دیکھ کر آئے تو حضور ﷺ دیکھ کر آئے ہیں۔ اب حضور ﷺ پر اعتماد کرنے سے یقینِ آخرت نصیب ہوگا۔

فَهُمْ فِیْ رَیْبِهِمْ یَتَرَدَّدُوْنَ --- بہانے کرنے والے وہ لوگ ہیں جو شک میں پڑے ہوئے ہیں، جس کا نتیجہ ہے کہ شرعی طریقے سے کام کرنے اور عبادات کے لیے ان کے پاس وقت ہی نہیں۔ جیسے آج بھی لوگ کہتے ہیں، نماز پڑھنے کو دل بڑا چاہتا ہے لیکن فرصت ہی نہیں ملتی، دفتری کام ہی ایسے ہیں، بچوں کی پڑھائی ہے، سکول لانے لے جانے کی مصروفیت ہے، بیوی کی بیماری ہے، والدین کے کام ہیں

فرصت ہی نہیں ملتی، فرمایا یہ سارے بہانے ان لوگوں کے ہیں جن کے دلوں میں شک ہے، آخرت میں شک ہے، حساب کتاب میں بھی شک ہے۔ دراصل انہیں حضور ﷺ کی نبوت پر شک ہے، اللہ کی توحید، اللہ کی قدرت کے بارے شک ہے اور یہ اسی شک میں ڈول رہے ہیں، کبھی اس طرف کبھی اُس طرف۔ انہیں یقین کی دولت نصیب نہیں۔

شیخ کی ضرورت:

اسلام میں شیخ کی ضرورت اسی لیے ہے کہ اللہ کریم کے ساتھ ایک قلبی تعلق قائم ہوجائے۔ اللہ کریم سے پیار ومحبت کا ایسا تعلق نصیب ہوجائے کہ بندہ ایثار کر سکے۔ اپنا مال، اپنا وقت اپنی توت دے سکے۔ ضرورت پڑے تو جان بھی دے سکے۔

پیری مریدی اور شیخ وطالب کا رشتہ دنیاوی مفاد کے لیے نہیں ہے۔ یہ جو سمجھا جاتا ہے کہ شیخ اس لیے ہے کہ جس کی اولاد نہیں ہے اس کے لیے دعا کرے کہ اولاد مل جائے، بے روزگار کو تعویذ دے، اسے کوئی روزگار مل جائے، مقدمے میں پکڑا ہوا ہے بری ہوجائے تو یہ غیر مسلموں کے عقیدے ہیں کہ جن بتوں کی وہ پوجا کرتے ہیں ان سے دنیاوی مفادات کے حصول کی اُمیدیں رکھتے ہیں۔

شیخ کی ضرورت صرف ایک کام کے لیے ہے کہ طالب کے دل کا تعلق اللہ وحدہٗ لاشریک سے قائم کردے اور اس تعلق کی دلیل یہ ہے کہ اسے اللہ سے حیا آنا شروع ہوجائے۔ اللہ کی ناراضگی برداشت نہ کر سکے۔ اللہ کی اطاعت کرنے کی توفیق ہوجائے۔ حضورِ حق نصیب ہوجائے، دنیا کی رنگینیوں میں بھی موت کو دیکھ رہا ہو۔ یہ ایک بہت قیمتی رشتہ ہے، نایاب رشتہ ہے۔ یہ وراثتِ پیغمبر ﷺ ہے، یہ عطائے پیغمبر ﷺ ہے، یہ رسول اللہ ﷺ کی برکات ہیں کہ بندے کو اللہ کے روبرو کردے، بندے کو اللہ یاد رہے، اسے دین پر عمل کی توفیق عطا رہے اور تادم واپسیں اس سے اللہ کی یاد نہ چھوٹے۔

یہ کشف ومشاہدہ کے حصول کے لیے بھی نہیں ہے۔ ہاں اللہ کریم کسی کو کشف ومشاہدہ عطا کردیں تو یہ اللہ کا انعام ہے لیکن یاد رہے کشف از قسم ثمرات ہوتا ہے، اجر کی قسم کا ہوتا ہے۔ ایک شخص مجاہدہ کرتا ہے اللہ اللہ کرتا ہے اسے مشاہدات ہوتے ہیں تو وہ مشاہدات اسے جتنے ہوتے اتنا آخرت سے وہ خرچ کر رہا ہے، اتنا آخرت میں اسے اجر کم ملے گا چونکہ مشاہدات از قسم ثمرات ہیں، اجر ہے تو کشف ومشاہدات کی صورت میں کچھ اجر وہ دنیا میں لے لیتا ہے پھر میدانِ حشر میں وہ کہے گا کاش وہ جو اجر میں نے دنیا میں لے لیا، نہ لیا ہوتا تو یہاں کام آتا۔ حضور اکرم ﷺ فرماتے ہیں کہ جب کسی کے اعمال تولے جا رہے ہوں گے تو فرشتے عرض کریں گے کہ یا اللہ اس کے اعمال تولے گئے وہ سامنے ترازو ہے نیکیاں بھی ہیں بدیاں بھی ہیں۔ اللہ فرمائے گا سارے رکھ دیئے؟ یا اللہ سارے رکھ دیئے تو اللہ فرمائے گا اس کی کچھ امانتیں میرے پاس بھی ہیں وہ اس کی نیکی کے پلڑے میں رکھو۔ عرض کریں گے یا اللہ ہمیں تو خبر نہیں۔ فرمایا اس کے دل سے دعائیں نکلی تھیں وہ میرے پاس ہیں۔ میں نے دنیا میں اس کی وہ دعائیں پوری نہیں کی تھیں تو میں نے اس کے لیے رکھ دیں کہ آخرت میں کام آئیں گی، آج اس کی وہ دعائیں نیکی کے پلڑے میں رکھ دو۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں بڑے بڑے مستجاب الدعوات لوگ اس وقت آرزو کریں گے کہ کاش ہماری کوئی دعا دنیا میں پوری نہ ہوئی ہوتی اور آج وہ ساری یہاں مل جاتی۔

تو شیخ یا مرشد یا پیر اس لیے چاہئے کہ دل میں شک کی بیماری نہ آنے پائے یقین کی دولت سے دل کو لبریز کردے۔ اگر کسی کو مشاہدہ ہوتا ہے تو الحمدللہ! لیکن محققین صوفیاء فرماتے ہیں کہ مشاہدات وکشف طلب بھا اطفال الطریقۃ کھلونے ہوتے ہیں جن سے طریقت کے بچوں کو، تصوف سیکھنے والے بچوں کو بہلایا جاتا ہے۔ کمزور لوگوں کو زیادہ مشاہدے ہوتے ہیں جن کی قوت یقین میں کمزوری ہو اسے مشاہدہ ہوجاتا ہے، اللہ کریم اسے قائم رہنے کا سبب بنا دیتے ہیں۔ اللہ بڑا کریم ہے وہ جانتا ہے کہ یہ کمزور ہے لیکن میرے ذکر میں تو لگا ہوا ہے اسے کوئی ترغیب دے دو کہ یہ قائم رہے۔ اس کا مطلب ہے جو محروم ہوتا ہے وہ زبردستی خود ہی ہاتھ چھڑا کر بھاگتا ہے، اللہ کسی کو محروم نہیں کرتے۔

خلوص سے جو بھی لگے اسے وہ کیفیات اور وہ برکات نصیب ہوتی ہیں اور سب سے بڑی پہچان ہماری اپنی پہچان یہ ہے کہ میرے دل میں کتنا یقین آخرت ہے۔ میں اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی کتنی اطاعت کر رہا ہوں، شریعت پر کتنا عمل کر رہا ہوں، یا چند ٹکوں کے لیے پھسل جاتا ہوں یا حرام کے قریب نہیں جاتا فاقہ سہہ لیتا ہوں اور شک کی بیماری تو بہت مہلک بیماری ہے۔ آج کل کہتے ہیں کینسر بڑی سخت بیماری ہے۔ یہ شک جو ہے یہ ایمانیات کا کینسر ہوتا ہے۔ دلوں میں شک کا آجانا ایسا ہی ہے۔ یہ جو بدن کا کینسر ہے اس سے ایمان کا کینسر خطرناک ہوتا ہے۔ شک ایمان کا کینسر ہوتا ہے اور شیخ اس کا طبیب ہوتا ہے، اس کا کام یہی ہے کہ دلوں کو شک سے پاک کردے وہ کیفیات نصیب ہوں کہ دل یقین سے لبریز ہوں۔

(اکرم التفاسیر، پارہ:10، سورۃ توبہ، جلد:10، ص:238،239)

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ o بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ o

فَاِذَا سَوَّیْتُہٗ وَنَفَخْتُ فِیْہِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَہٗ سٰجِدِیْنَ

(سورۃ الحجر:29)

ترجمہ: پھر جب میں اس کو (انسانی صورت میں) درست کرلوں اور اس میں اپنی روح پھونک دوں تو تم سب اس کے سامنے سجدے میں گر پڑنا۔

مِنْ رُّوْحِیْ یا "اپنی روح" سے کیا مراد ہے؟

قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ فرماتے ہیں کہ اللہ کریم نے اس سوال کا جواب قرآن حکیم میں یوں عطا فرمایا ہے، قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ۔۔۔ کہ روح کا تعلق امرِ الٰہی سے ہے۔ امر اللہ کی صفت ہے۔ اس کے لیے روحانی علم چاہیے۔ اس کے بارے میں علم رکھنے والے انبیاء کرام علیہم السلام ہیں جو علم انبیاءؑ کو بذریعہ وحی نصیب ہوتا ہے اس کے ذریعے روح اور اس کے متعلقات تک رسائی محال نہیں اور نہ ہی انبیاء کا علم قلیل ہے بلکہ انبیاءؑ کے سچے متبعین جو ولی اللہ کہلاتے ہیں، وہ بطفیلِ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی حیثیت کے مطابق ان علوم تک رسائی پاتے ہیں۔ روح علوی مادہ سے بالاتر محض امرِ الٰہی سے پیدا ہونے والی ایک لطیف ترشے ہے جو تجلیات باری کو قبول کرنے کی استعداد رکھتی ہے اور یہ صرف انسان کو عطا ہوئی ہے۔ لطائف روح کے مقامات ہیں۔ روح علوی کی خصوصیات فرشتوں جیسی ہیں یعنی اطاعتِ الٰہی، تسبیح اور ذکر اذکار۔ نورِ نبوت رُوح کی ضرورت ہے۔ رُوح کی غذا بھی برکات نبوت ہیں اور اس کی دوا بھی برکات نبوت ہیں۔

برکاتِ نبوت کے حصول کا طریقہ:

جاننا چاہیے کہ عہدِ رسالت میں یہ کیسے ملیں؟ نبی کریم ﷺ کی صحبتِ عالی برکاتِ رسالت کا وہ بحرِ زخار ہے، بحرِ بے کنار ہے کہ جو بھی ایمان لایا خواہ وہ مرد تھا یا خاتون، بوڑھا تھا، بچہ تھا یا جوان، پڑھا لکھا تھا یا اَن پڑھ، جو بھی ایمان لاکر حضور اکرم ﷺ کی ایک نگاہ پا گیا، اس کی نظر آپ ﷺ کے وجودِ اقدس پر پڑگئی یا آپ ﷺ کی ایک نگاہ اس صاحب ایمان پر پڑگئی، وہ اسی لمحے شرفِ صحابیت سے سرفراز ہوگیا۔ اُمتوں میں جو انتہائی عظمتیں روحِ انسانی لے سکتی تھی، وہ اس ایک نگاہ میں انہوں نے پالیں۔

پھر یہ برکات صحابہ کرامؓ کے عہد میں صحابہؓ کی صحبت سے نصیب ہوئیں۔ جس نے صحابہؓ کو دیکھا تابعی بن گیا تابعین میں بھی برکات کی ترسیل یوں ہی جاری رہی، جس نے ان پر ایک نگاہ ڈالی وہ تبع تابعی بن گیا۔ یہاں پر خیر القرون کا اختتام ہوا۔ جیسا کہ ارشادِ نبوی ہے: خَیْرُ الْقُرُوْنِ قَرْنِیْ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَھُمْ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَھُمْ او کما قال رسول اللہ ﷺ (البخاری) کہ بہترین زمانہ میرا ہے پھر اس سے جڑا ہوا، پھر اس سے متصل۔

ضرورتِ شیخ:

تبع تابعین تک وہ زمانہ مکمل ہوا۔ تبع تابعین کے بعد برکاتِ نبوّت تو اسی شان سے جلوہ گر رہی ہیں اور ہمیشہ رہیں گی، لیکن قلوب پر غبار آگیا اور ضرورت پڑی کہ برکاتِ نبوّت حاصل کرنے والا کسی صاحب برکات کی خدمت میں پہنچے، اپنا قلب صاف کرے، مجاہدہ کرے، تزکیہ کے لیے محنت کرے۔

ایمان لانے سے رُوحِ علوی حیات پاتی ہے۔ بندہ شریعتِ مطہرہ پر عمل پیرا ہوتا ہے۔ اتباعِ شریعت میں خلوص کے لیے، ایمان و یقین میں رسوخ کے لیے، معرفتِ الٰہی اور حصولِ حضورِ حق کے لیے ایسا بندہ چاہیے (بقیہ صفحہ نمبر 35 پر)

بیان 25 مئی 2015ء

انسانی روح کی ضروریات

الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان رحمۃ اللہ علیہ

اَلْحَمْدُلِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ○ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی حَبِیْبِہٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ ○ اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

اَللّٰھُمَّ سُبْحٰنَکَ لَاعِلْمَ لَنَا اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا اِنَّکَ اَنْتَ الْعَلِیْمُ الْحَکِیْمُ ○ مَوْلَایَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّھِمِ۔

اللہ کریم نے انسان کو بڑی عظمت دی ہے اور اس کی فطری ترتیب ہی یہ ہے کہ وہ پوری کائنات میں منفرد ہے۔ وجودِ مادی عطا فرما کر اس سے روح کا تعلق قائم کرنا۔ مادہ کثیف تر چیز ہے اور روح عالمِ امر کی شے ہے، لطیف تر شے ہے۔ انسان بجائے خود اللہ کی ایک واحد تخلیق ہے، جس میں یہ کمالِ قدرت پایا جاتا ہے۔ اللہ کریم نے مادے میں بھی خصوصیات رکھی ہیں۔ اس کی احتیاجات بھی رکھی ہیں، اس کی ضرورتیں بھی ہیں۔ ان کو پورا کرنے کے طریقے اور ذریعے بھی ہیں۔ ضرورت کا ادراک ہونا یعنی یہ پتا چلنا کہ مجھے فلاں چیز چاہئے بنیادی طور پر یہ ضروری ہوتا ہے۔ پھر اس چیز کو کیسے حاصل کیا جائے، کہاں سے ملے گی، کس طریقے سے ملے گی؟ یہ بڑا لمبا نظام ہے۔ بدن کو بھوک کا احساس ہوتا ہے، ہم اس کا احساس کرتے ہیں، روزی کماتے ہیں کہ کہاں سے کھائیں گے، کیسے کھائیں گے؟ چیزیں خریدتے ہیں پھر بناتے ہیں یہ ایک لمبا نظام ہے۔ پیاس کا ادراک ہوتا ہے تو پیاس کی ضرورت پوری کرنے کا اہتمام ہوتا ہے۔ اسی طرح گھر کا احساس ہوتا ہے تو گھر بنتے ہیں۔ اولاد ہوتی ہے احساس ہوتا ہے اُس کی پرورش کا، تربیت کا، اس کی ضرورتوں کا، ایک بڑا لمبا نظام اللہ کریم نے ترتیب دیا ہے، جو ہر کوئی کرتا ہے جو بھی اس دنیا میں آتا ہے جب تک زندہ رہتا ہے سارے نظام سے گزرنا اُس کی مجبوری ہے۔

اب اُس نے انسانی روح بھی انسان کو عطا کر دی۔ وہ بھی اسی نظام سے گزرتی ہے۔ اس کی بھی ضرورتیں ہیں اُسے بھی صحت مند ہونا چاہئے۔ اس کی بھوک پیاس کا مداوا ہونا چاہئے۔ اس کا لباس ہونا چاہئے، اُسے سکون ملنا چاہئے۔ ان چیزوں کا ادراک ہو تو پھر اہتمام کیا جائے اور اگر ادراک ہی نہ ہو تو پھر کسی نے کیا اہتمام کرنا ہے۔ پھر مادّی بدن کا ادراک تو ہر بندے کو نصیب ہو جاتا ہے کیونکہ اس کے پاس مادّی زندگی ہے لیکن جب تک کسی کو نورِ ایمان نصیب نہ ہو، روح کی ضرورتوں کا یا روح کی بھوک پیاس کا، اُس کے کردار کے اُخروی نتائج کا، یا اللہ کی رضا کی طلب یا اس کی اتباع واطاعت کی طلب اسے کوئی ادراک نصیب نہیں ہوتا، کچھ نہیں ہوتا۔ اس لیے کہ روح کی حیات نورِ ایمان ہے، مردے کو ضرورتوں کا ادراک کیا ہوگا؟ مردے کو خاک بھوک لگے گی یا پیاس لگے گی! روح میں حیات ہی نورِ ایمان سے آتی ہے۔ اب حیات کے بعد حواس کامل ہوں تب ادراک ہوتا ہے۔ زندہ تو چھوٹا بچہ بھی ہوتا ہے، پیاس لگے تو صرف بیقرار ہوتا ہے، بھوک لگے تو بیقرار ہوتا ہے، کوئی تکلیف بیماری ہو تو بیقرار ہوتا ہے، روتا چلاتا ہے۔ اُسے نہ ادراک ہے کہ مجھے تکلیف کیا ہے، نہ اس کا شعور ہے کہ اس کا مداوا کیا ہے؟ ہاں! جب ہوش سنبھالتا ہے تو پھر اُسے پتا ہوتا ہے کہ اب مجھے پیاس لگی ہے، بھوک ہے، یہاں درد ہے مجھے چوٹ لگی ہے۔ روح کی

حیات تو ایمان لانے سے شروع ہوتی ہے لیکن پھر اُسے کچھ ہوش بھی ہونا چاہیے، اس میں اس کے ادراکات جاگنے چاہئیں، اُسے ضرورتوں کا پتا چلنا چاہیے، وہ بیان کر سکے۔ اس کے لیے ایمان کا تقاضا ہی یہ ہے کہ جب ایمان لایا جائے تو اس کا مطلب ہے اتباع کیا جائے۔

یہ تو اللہ کا کرم ہے کہ وہ فرماتا ہے کہ اگر وہ ایمان لایا اور اس نے اطاعت نہیں بھی کی تو میں چاہوں تو اُسے بخش دوں، یہ تو اس کا کرم ہے لیکن لفظ ایمان جو ہے اس کا تقاضا یہ ہے کہ جب کوئی ایمان لائے تو پھر اطاعت کرے۔ یہ اطاعت اور اتباعِ رسالت ہی ہے جو پھر روح کو شعور اور ادراکات عطا کرتا ہے۔

اس نظام میں بظاہر دو الگ الگ چیزیں ہیں، روح عالمِ امر کی شے ہے اور اس کی ضرورتیں اس کے مطابق ہوں گی۔ بدن ایک مادی وجود ہے اس کی ضرورتیں مادے سے پوری ہوں گی۔ روح کی ضرورتیں، روحانیت کی غذائیں ہوں گی، روحانیت کی تسکین ہوگی۔ کوئی روحانی پانی ہوگا، کوئی روحانی دوا ہوگی۔ بالکل دو الگ الگ نظام ہیں لیکن ربِ کریم نے انہیں بڑی خوبصورتی سے یکجا کر دیا کہ کسی کو نورِ ایمان نصیب ہوگا تو اس طرح روح کو حیات ملے گی۔ توفیقِ عمل نصیب ہوگی تو روح میں بلوغت آجائے گی ادراکات آجائیں گے، نفع نقصان کا پتا چل جائے گا۔ اب انسان نے روزی بھی کمانی ہے، بچے بھی پالنے ہیں، زندگی گزارنی ہے اور یہ مجبوری ہے ہر فرد کی، وہ مومن ہو یا غیر مومن۔ اس نے زندگی بسر کرنی ہے اس کے لیے اسباب مہیا کرنے ہیں اُس کے لیے اخراجات مہیا کرنے ہیں۔ یہ اُس کی مجبوری ہے یہ زندگی کا عمل ہے جس میں سے اُسے گزرنا ہے۔ ربِ کریم نے اپنی کتابوں اور اپنے انبیاءؑ کے طفیل ہمیں یہی عمل جو ہمیں ہر حال کرنا ہے اس میں راہیں مقرر کر دیں۔ روزی کمانی ہے ضرور کماؤ لیکن حلال اور جائز طریقے سے کماؤ تو صرف روزی نہیں آئے گی ساتھ میں روح کو بھی حیات اور غذا ملے گی۔ یعنی تم کام ایک کرو گے نتیجے دو آئیں گے۔ اسی طرح جب تم لالچ میں آکر ناجائز چوری ڈاکے، دھوکہ دہی، جھوٹ بول کر، رشوت لے کر روزی حاصل کرو گے تو اس کا نقصان جہاں تمہیں ہوگا بالآخر بدنامی ہوگی، ہوسکتا ہے مقدمے بنیں، ہوسکتا ہے قید ہو جائے، رسوائیاں ہوں گی، اس کا نقصان روح کی حیات کو بھی ہوگا۔

اللہ کریم نے بہت پیچیدہ کام کو بہت آسان بنا دیا کہ زندگی تو تم نے گزارنی ہے، لوگوں سے تعلقات بھی ہیں، رشتے بھی ہیں، دنیا میں رہنا ہے گرمی سردی بسر کرنی ہے۔ بچے پالنے ہیں، رزق کمانا ہے تو فرمایا، اگر جائز وسائل اختیار کرو، حلال طریقے سے رزق کماؤ، پاکیزہ غذا کھاؤ نیک اعمال کرو، ضرورتیں پوری کرنی ہیں وہ کرو لیکن اُس طریقے سے کرو جو طریقہ اور سلیقہ اللہ کا دین عطا کرتا ہے تو تمہارے دونوں کام بنتے، سنورتے چلے جائیں گے۔ دنیا میں بھی آبرومندانہ زندگی گزارو گے، آسودہ حال رہو گے پریشانیوں سے بچے رہو گے اور ساتھ روح کی تربیت بھی ہوتی چلی جائے گی۔

اب روح کی ایک ضرورت اس ذاتی کردار کے ساتھ بھی ہے۔ یہ جو ہمارا ذاتی کردار ہے یہ ہے اللہ کے دین پر عمل، تعلیماتِ نبوی ﷺ پر عمل، ارشاداتِ نبوی ﷺ کے مطابق عمل ہی دین پر عمل ہے۔ لیکن حضور ﷺ سے ہمیں صرف تعلیمات نہیں پہنچیں، برکات و کیفیات بھی پہنچی ہیں۔ جہاں احکام پہنچے ہیں ان احکامات کے ساتھ جو کیفیات وارد ہوتی ہیں وہ بھی پہنچی ہیں اسی لیے تو حضور ﷺ کی محفل میں جو ایمان لایا وہ صحابیؓ ہو گیا۔ صحابیت ایک اعلیٰ ترین منصب ہے، مقام ہے جو بعد از نبوت عظیم تر ہے۔ اسی دین کو صحابہ کرامؓ نے آگے پہنچایا، آپ ﷺ کی تعلیمات بھی پہنچائیں آپ ﷺ کی برکات بھی پہنچائیں۔ جو بھی انؓ کی صحبت میں آیا تابعیؒ ہو گیا۔ تبع تابعینؒ ہو گئے۔ اسی طرح تبع تابعینؒ کے بعد یہ سلسلہ چل رہا ہے اور ان شاء اللہ قیامِ قیامت تک چلتا رہے گا۔ اللہ کے ایسے بندے ہوں گے جو اپنے سے پہلوں سے، جہاں وہ علم حاصل کریں گے، تعلیماتِ نبوت ﷺ بھی حاصل کریں گے، برکاتِ نبوت ﷺ بھی حاصل کریں گے۔ آگے بھی پہنچائیں گے۔ جہاں تعلیمات پہنچائیں

وہاں برکات بھی پہنچائیں گے۔ یہ تعلیمات کا تعلق ظاہری تعلیم و تعلم سے ہے، ادارے بن گئے، اہل اللہ کی خانقاہیں بن گئیں، مدارس بن گئے۔ بندے کو پتا چلتا ہے کہ میں یہاں جاؤں، یہاں بیٹھوں، یہاں روز بیان ہوتا ہے، قرآن شریف کا درس ہوتا ہے، حدیث شریف بیان ہوتی ہے، فقہ بیان ہوتی ہے یا یہاں پڑھائی جاتی ہے بچوں کو داخل کروں، یہاں سے پڑھالوں، اُسے پتا چل گیا۔

اب یہ برکات کی خبر کہاں سے آئے؟ اللہ بہت کریم ہیں اور اُس نے راہیں بڑی آسان کردی ہیں۔ ارشادِ باری ہے وَالَّذِیْنَ جَاھَدُوْا فِیْنَا لَنَھْدِیَنَّھُمْ سُبُلَنَا (سورۃ العنکبوت: 69) جو لوگ میری ذات کی جستجو کا مجاہدہ کرتے ہیں۔ جن کے دل میں ایک یہ بیقراری آجاتی ہے کہ میرا ربّ کیسا ہے، اس کی صفات سے میں کیسے آشنا ہوسکتا ہوں؟ میرے دل میں بھی اُس کی تجلیات آسکتی ہیں کہ نہیں، میرا اُس سے مخلوق ہونے کا، مملوک ہونے کا رشتہ ہے یہ تو سب کا ہے، کیا میں کوئی پسندیدگی کا رشتہ بھی یا قبولیت کا رشتہ بھی قائم کرسکتا ہوں؟ تو فرمایا، جب یہ خواہش کسی کے دل میں صدق سے پیدا ہوجائے اور اس کے لیے پھر وہ کوشش کرتا ہے، تلاش کرتا ہے۔ جَاھَدُوْا ۔۔۔ محنت کرتا ہے کہ کوئی ایسا بندہ مل جائے جو مرضیاتِ باری سے آشنا کردے تو ہم اُنہیں اپنی راہیں بتا دیتے ہیں۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ جب طلبِ صادق پیدا ہوتی ہے تو اللہ کریم ایسے لوگوں کی محفل میں پہنچا دیتے ہیں جو پہلے یہی محنت کررہے ہوتے ہیں اور جو اللہ کی یاد میں مصروف ہوتے ہیں اور جن کے سینے میں برکاتِ نبوت ﷺ ہوتی ہیں وہ اُن سے رشتہ کرا دیتے ہیں تعلق جوڑ دیتے ہیں۔ تو یہ چیزیں ایک دوسرے سے مربوط ہیں، جڑی ہوتی ہیں۔ اللہ کریم نے آسان کردی ہیں۔ جس طرح بیشمار دینی مدارس ہیں، خانقاہیں ہیں لیکن جس کو دین کی طلب نہیں ہوتی اُسے تو کوئی طلب نہیں ہوتی، اس کے شہر میں پچاس مدرسے ہوں تو اسے تو خیال بھی نہیں ہوتا کہ یہاں مدرسے ہیں۔ وہ تو بچوں کے لیے اچھا سکول یا انگریزی طرز کا سکول، زیادہ فیس والا تلاش کرتا رہے گا کسی مدرسے کے قریب تو نہیں جاتا۔ ان کا ہونا نہ ہونا اس کے لیے برابر ہے۔ مدارس میں بھی وہ ہی جاتے ہیں جنہیں طلب پیدا ہوتی ہے کہ دین کو بھی پڑھا جائے، اسی طرح اللہ کے بندوں کے پاس بھی وہی پہنچتے ہیں کہ جن کے دل میں یہ طلب پیدا ہوتی ہے کہ اللہ کی مرضیات کو تلاش کیا جائے، وہ کیفیات و برکات حاصل کی جائیں جو نبی کریم ﷺ نے تقسیم فرمائیں تو یہ اللہ کریم کا بنایا ہوا نظام ہے جس میں کوئی کمی، کوئی خامی، کوئی کجی نہیں ہے۔ بڑا مضبوط، بڑا ٹھوس نظام ہے۔ اب یہ انسان پر ہے کہ وہ مادّی زندگی گزارنے کے لیے بھی مالک الملک کی اطاعت کرتا ہے یا بے مہار ہوکر زندگی گزارتا ہے۔ فرمایا، تمہارے پاس اختیار ہے: اِمَّا شَاکِرًا وَّاِمَّا کَفُوْرًا (سورۃ الدھر: 3) دونوں راستے کھلے پڑے ہیں۔ شکر کا، اطاعت کا راستہ اختیار کرلو یا نافرمانی کا اختیار کرلو اس کا اختیار تمہارے پاس ہے، اور بندے کے پاس صرف اِسی کا اختیار ہے کہ وہ فیصلہ کرلے کہ اُس نے کِس راہ پہ چلنا ہے، کس طرف کو جانا ہے؟ ورنہ اسے پیدا ہونے پہ اختیار ہے نہ مرنے پہ، نہ صحت پہ نہ اپنی بیماری پہ، نہ اپنی شکل بنانے پہ نہ قد کاٹھ بنانے پہ، نہ اپنے روزی رزق لکھنے پر کوئی اختیار ہے۔ جب ربِ کریم نے دونوں راہوں پر چلنے کا اختیار دے دیا تو دنیا چونکہ ہمارے سامنے ہے تو ہم سمجھ لیتے ہیں چوری کرو، برائی کرو، اسباب سامنے ہیں اختیار کرلو کوئی مشکل نہیں۔

حصولِ برکات اور حصولِ تعلیمات کے لیے طلب اور مجاہدہ ضروری ہے۔ پھر حصولِ تعلیمات کے مدارس تو سامنے آجاتے ہیں، یہ برکات کہاں سے ملیں گی؟ یہ ان لوگوں کی صحبت میں ملیں گی جن کے سینے برکات کے امین ہوتے ہیں لیکن جو اس کے طالب نہیں ہوتے وہ یہ سمجھتے ہیں کہ برکات کے امین لوگ ہیں ہی نہیں، جہاں جاؤ ٹھگ ہی ملتے ہیں، جہاں جاؤ بہروپیئے ہی ملتے ہیں۔ بعض لوگوں نے اِن برکات کے انکار اور ردّ پہ بھی بڑی بڑی کتابیں لکھی ہیں۔ تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ ایسے لوگوں کے بارے ایک جملہ فرمایا کرتے تھے کہ نامرد کو یہ نہیں سوچنا چاہئے کہ دنیا میں مرد ہوتے ہی نہیں، جس میں خود مردانہ اوصاف نہیں وہ یہ نہ سوچے کہ دنیا میں کوئی مرد ہے ہی نہیں۔

بہرحال لوگوں کی بدنصیبی کہ شاید بات اُن کی سمجھ میں نہیں آئی یا

اُن تک پہنچی ہی نہیں تو اس کے خلاف انہوں نے اتنی موٹی موٹی کتابیں لکھ ڈالیں۔ برکات کی ترسیل کے لیے اللہ کا ایسا عجیب نظام ہے کہ اسے اس نے بندے کی قلبی آرزو کے ساتھ وابستہ کر دیا ہے کہ جس کے دل میں یہ تڑپ پیدا ہوگی میں اسے ایسے لوگوں تک پہنچادوں گا۔ پھر تو یہ اُس سے بھی آسان ہو گیا۔ کہ اپنے دل میں تمنا پیدا ہوئی اور کوئی نہ کوئی سبب بنتا چلا گیا اور ایسے لوگوں کے پاس پہنچ گئے جن کے پاس برکاتِ نبوت ﷺ ہوں، اُن سے مل سکتی ہیں۔ یہ تو اللہ کریم نے اور بھی آسان کر دیا۔ اب ہمیں مشکل کیوں لگتا ہے؟ اس لیے کہ ہم اپنے دل برباد کر چکے ہوتے ہیں اُن میں نہ وہ استعداد ہوتی ہے، نہ وہ تمنا، نہ وہ آرزو پیدا ہوتی ہے۔ نہ وہ کیفیت ہوتی ہے، تو اس کی تلاش کا راستہ ہی وہی ہے، جب وہاں تمنا و آرزو ہی نہ ہوگی تو پھر تو یہ نعمت ملنے سے رہی۔ دنیوی نعمتیں آسان بھی ہیں گلی گلی مل جاتی ہیں لیکن وہ بھی تلاش کرنا پڑتی ہیں اور یہ کائنات میں اعلیٰ ترین نعمت ہے۔ اس کو پانے کے لیے اللہ نے صرف خلوص کے ساتھ تمنا کرنا، آرزو کرنا مقرر کر دیا۔ بڑی سادہ سی، چھوٹی سی قیمت پر بہت بڑی نعمت عطا کر دیتا ہے۔ تو بحیثیت انسان ہمیں خود اپنے آپ پر غور کرنا چاہئے، اپنے ارادوں، اپنی تمناؤں کو انسانی درجہ دینا چاہئے۔ صرف یہ خواہش کرنا کہ بہت اچھا لذیذ کھانا مل جائے، قیمتی کپڑے مل جائیں، قیمتی گاڑی مل جائے، خوبصورت گھر مل جائے اور دولت کی ریل پیل ہو اور عیش کروں یہ انسانی معیار نہیں ہے۔ یہ سوچ تو جانوروں کی طرح ہے۔ ہر جانور بھی چاہتا ہے کہ بہترین سبز چارہ مل جائے اور آرام سے گزارہ کرلوں یہ تو حیوانی خواہشات ہیں۔ انسان انسانی لباس، غذا تلاش کر لیتا ہے، حیوان اپنی تلاش کرے گا تو یہ انسانی نہیں، انسان کی فکر انسانی درجے کی ہونی چاہئے، مادی سہولتیں بھی حلال، جائز وسائل سے ضرور تلاش کرے اور انہیں انجوائے کرے، اللہ نے کوئی پابندی نہیں لگائی ہے۔ اللہ کریم نے یہ پابندی لگائی کہ دوسروں کا حق نہ چھینے ناجائز ذرائع سے جمع نہ کرے۔ حلال اور جائز ذرائع سے۔ انسان کو یہ بھی سوچنا چاہئے کہ میں صرف بدن نہیں میں جسم و روح، جسم و جان کا رشتہ ہے۔ جان کے تقاضے کیا ہیں، وہ کیسے پورے ہوں گے م، یرا معیار انسانی کس طرح مکمل ہوگا؟ اگر روح کا خیال اور فکر ہی نہیں ہے تو اگلے دن بھی ہم قرآنِ کریم بیان کر رہے تھے کہ ''چلتے پھرتے مُردے ہیں'' قرآنِ کریم تو ایسے لوگوں کو مردہ کہتا ہے جنہیں ادراک ہی نہیں ہے کہ روح کی بھی ضرورتیں ہیں اور روح کی بھی خواہشات ہیں اور ان کا بھی کچھ کیا جاتا ہے، تو ان چلتی پھرتی قبریں بننے سے انسان کا زندہ رہنا بہتر ہے۔ اللہ کریم مہربانی فرمائے اور ہمارے شعور سے خواہشات کی گرد کو اُتار کر حقائق کا منظر نامہ ہمیں عطا کرے اور اس کے مطابق ہم سوچ سکیں، فکر کر سکیں، عمل کر سکیں۔

اللہ کریم مہربانی فرمائے انسان جب تک زندہ ہے تب تک وہ اس آزمائش میں رہتا ہے۔ اس زندگی میں کوئی ایسا مقام نہیں آتا کہ جہاں وہ بےفکر ہو جائے۔ ہر لحہ، ہر آن اپنی اپنی آرزوؤں اور خواہشات کی اور اپنے کردار کی نگرانی کرنا پڑتی ہے اور اللہ کی یاد سے وابستہ رہے، دامانِ نبوت کی پناہ میں رہے۔ آپ ﷺ کا اتباع اور اطاعت خلوص سے کرتا رہے تو اللہ کریم اس کی حفاظت فرماتے ہیں اور اسے پریشانیوں سے محفوظ رکھتے ہیں۔ ہمارا پریشانیوں کا معیار بھی بدل گیا ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ پیسے نہ ہوں تو پریشانی ہے، بیماری ہو پریشانی ہے۔ یہ زندگی کے مسائل زندگی کا حصہ ہیں، کبھی دولت آجاتی ہے، کبھی بندے کے پاس کچھ نہیں رہتا۔ صحت بہت اچھی بھی ہوتی ہے کبھی خراب بھی ہو جاتی ہے۔ بیماریاں بھی آجاتی ہیں کبھی قرض بھی لینا پڑ جاتا ہے۔ یہ زیر و بم زندگی کے ہیں یہ اصل مسئلہ نہیں، اصل مسئلہ یہ ہے کہ اس امیری غریبی، صحت، بیماری، جوانی، بڑھاپے میں سے گزرتے ہوئے کس کا دامن تھام کے گزرا؟ یہ ہماری بڑی خوش نصیبی ہے کہ ہم نبی کریم ﷺ کی امت ہیں اور براہِ راست آپ ﷺ کی ذاتِ بابرکات سے وابستہ ہیں كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ (سورۃ آل عمران: 110) فرمایا: تم بہترین اُمت ہو۔ آدم علیہ السلام سے لے کر حضور نبی کریم ﷺ تک اُمتیں گزریں لیکن تم بہترین اُمت ہو۔ اس آخری اُمت کے بہترین ہونے کا بنیادی سبب کیا ہے؟ بنیادی وجہ یہی ہے کہ ہم براہِ راست متعلق ہیں محمد رسول اللہ ﷺ سے اور یہ بہت بڑا کمال ہے بہت بڑی خوبی اللہ نے عطا کر دی ہے۔ بہت بڑا انعام ہے اللہ کریم کا کہ ہم میں سے ہر

ایک کا ہاتھ دامانِ رسالت پناہی میں ہے۔کوئی کسی دوسرے کا محتاج نہیں ہے۔اسے کوئی پوچھے ایسا کیوں کر رہے ہو؟ وہ کہتا ہے، میرے نبی ﷺ نے ایسا کرنے کا حکم دیا ہے۔ ہر اُمتی کا نبی کریم ﷺ سے براہِ راست تعلق ہے۔اگر کوئی عالم ہے تو اللہ کے بندوں کو دین سکھا سکتا ہے، اہل اللہ سے ہے تو آداب سکھا سکتا ہے لیکن ہاتھ تو اس کا دامانِ نبوت پر ہے۔ ہر بندہ انفرادی طور پر اتباع تو محمد ﷺ کر رہا ہے اور یہی فضیلت ہے اس میں۔انسان جب سے دنیا میں آیا ہے۔اللہ نے اُسے زندگی کے طریقے سکھا دیے اور ہر آنے والا اپنے پہلوں سے سیکھ لیتا ہے،کسی نہ کسی کے پیچھے چلتا ہے۔اب یہ اُمت کتنی خوش نصیب ہے کہ جب بھی کوئی ہوش سنبھالتا ہے، بالغ ہوتا ہے تو وہ دامانِ رسالت پناہی کو تھام لیتا ہے اور حضور ﷺ کے پیچھے چلتا ہے اُسے کسی باپ دادا کسی دوسرے ایرے غیرے، کسی کی ضرورت نہیں۔ ہر اُمتی ذاتی طور پر آقائے نامدار ﷺ کا اتباع کرتا ہے آپ ﷺ کی غلامی کرتا ہے اور آپ ﷺ کے ارشادات پر عمل کرتا ہے۔ اب یہ کردار کہ دامانِ رسالت ﷺ کو چھوڑ دے اور شیطان کی بات مانے۔دو ہی تو ہستیاں ہیں۔ اس طرف اللہ کا نبی ﷺ اور اُن کی ذات ہے دوسری طرف شیطان ہے۔آپ کتنے وسیلوں سے پہنچیں گے شیطان تک ہی پہنچیں گے جب حضور ﷺ کی نافرمانی کریں گے تو دوسرے راستے کا داعی تو شیطان ہے۔آپ نے کسی بندے کی بات مانی اس نے اگلے کی، اگلے نے اگلے کی لیکن آخر کار وہ بات شیطان تک پہنچتی ہے۔تو اب اگر کوئی بدنصیب دامانِ رسالت چھوڑ کر شیطان کا دامن تھامتا ہے تو یہ اس کا فیصلہ ہے اور بہت برا ہے۔ اس نے اپنے ساتھ دشمنی کرلی، اپنے آپ کو تباہ کرلیا، اپنی عاقبت تباہ کرلی اور کتنا خوش نصیب ہے وہ جو صدیوں بعد دنیا میں پیدا ہوا، حضور ﷺ کے وصال کے بعد صدیوں بعد دنیا میں آیا آپ ﷺ کے زمانے کو نہیں دیکھا، آپ ﷺ کی ذات والا صفات کو نہیں دیکھا۔آپ ﷺ کی محفل میں نہیں پہنچا لیکن اس کے پاس بھی موقع ہے کہ وہ دامن حضورِ اکرم ﷺ کا تھام لے، تو پھر یہ کیسے عجیب لوگ ہوں گے کہ حشر کو اُٹھیں گے تو اُن کے ہاتھ میں دامانِ رسالت ﷺ ہوگا۔ یہی وہ لوگ ہوں گے جن کے بارے قرآنِ مجید کہتا ہے کہ قیامت کا زلزلہ ہر چیز کو تباہ کر دے گا، پہاڑ دھواں بن کر اُڑیں گے لیکن ایسے لوگ بھی ہوں گے کہ جنہیں ادراک ہی نہیں ہوگا کہ کہیں قیامت بھی وقوع پذیر ہوئی ہے کہ نہیں۔ یہ وہی لوگ ہوں گے جن کے ہاتھ میں دامانِ رسالت ہوگا۔

تو میرے بھائی دُنیوی زندگی پاگل بھی گزار لیتے ہیں جنہیں پتا ہی نہیں ہوتا کہ کھانا کیا ہے، کہاں سے آیا ہے، لباس پہننا ہے، نہیں پہننا، کوئی انہیں بھی کھلا دیتا ہے، پلا دیتا ہے۔ بھوکے پیاسے وہ بھی نہیں مرتے۔دنیا کی زندگی اُن کی بھی گزر جاتی ہے اور بڑے دانشور نے بھی اپنے آپ کو بڑا دانشور سمجھ کے صرف دنیا کی سہولتوں کے لیے عمر ضائع کردی تو پاگل میں اور اُس میں کیا فرق ہے؟ پاگل تو اُس سے اچھا رہا کہ اس نے محنت بھی نہیں کی اور زندگی گزار دی اور ہم جو اپنے کو بڑا دانشور سمجھتے ہیں ہم نے محنتیں کر کر کے دنیا ہی گزاری تو کیا گزاری؟ اللہ نے اپنی رضا الگ سے کسی چیز میں نہیں رکھی فرمایا، انہی دنیوی نعمتوں کو میرے دین کے سانچے میں ڈھال دو تو ساتھ آخرت مفت میں انعام میں مل جائے گی۔دامانِ رسالت پناہی مل جائے گا اور حضور ﷺ کے دامن میں جگہ مل جائے گی، تو اللہ کریم نے اسے آسان کر دیا ہے ہمیں اس لیے مشکل کیوں لگتا ہے؟ ہمیں مشکل لگتا ہے کہ ہمیں برکات کا، روح کا، روح کی ضروریات کا ادراک نہیں ہے نہ اس طرف ہم نے سوچا نہ اس طرف ہمیں کسی نے بتایا، ادراک ہی نہیں ہی ہے پھر تو کیسے پتا چلے؟ تو اس طرف کیسے بندہ لگے گا؟ تو والدین اور اساتذہ کے فرائض میں ایک یہ بھی ہے کہ جہاں بندے کو دنیوی ضرورتوں کا شعور دیتے ہیں وہاں روح اور روح کی ضرورتوں کا اور آخرت کا اور اللہ کی رضا کا شعور بھی دیں، والدین کی ذمہ داری بھی ہے، اساتذہ کی ذمہ داری بھی ہے۔ اور بندے کو ادراک ہو تو طلب پیدا ہوتی ہے اور طلب پیدا ہو تو اللہ اُس کی تکمیل کے اسباب مہیا فرما دیتے ہیں۔ اللہ کریم ہماری خطاؤں سے درگزر فرمائیں، ہمیں ایمان پر زندہ رکھیں ایمان والوں کے ساتھ موت دیں اور ایمان والوں کے ساتھ حشر کریں۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○

حضور ﷺ کے احکام کی خلاف ورزی توفیق توبہ سلب کردیتی ہے

الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی

اسلام سارے کا سارا، اول وآخر حضور اکرم ﷺ کی پیروی اور اتباع کا نام ہے۔ عہد حاضرہ کی ایک وبا یہ بھی ہے کہ لوگ قرآن حکیم سے اپنی عربی دانی اور صرف ونحو اور علم کلام کے زور پر مختلف معانی اور مطالب حاصل کرنا چاہتے ہیں لیکن ایسا ممکن نہیں ہے۔ جو بھی کوئی مطلب حضور اکرم ﷺ کی تائید کے علاوہ ہوگا وہ قرآن کا مفہوم نہیں ہوگا وہ گمراہی ہوگی۔ قرآن کریم کا اصل مفہوم، بنیادی تفسیر حضور اکرم ﷺ کا عمل ہے۔ کون سی آیت کب نازل ہوئی اور اس پر حضور اکرم ﷺ نے کیا عمل فرمایا؟ قرآن فہمی کا دوسرا ذریعہ ارشادات نبوی ﷺ ہیں۔ حدیث پاک کیا ہے؟ ساری قرآن کی تفسیر ہے، حیات مبارکہ قرآن کی تفسیر ہے، ارشاداتِ عالیہ قرآن کی تفسیر ہے۔ اب کوئی معنی سنت کے خلاف یا حدیث کے خلاف اخذ کیا جائے گا تو وہ قابل قبول نہیں ہوگا۔ یہ معاملہ کتنا نازک ہے اس کا اندازہ اس بات سے کر لیجئے کہ اللہ کریم نے اپنی وسیع تر رحمت سے ایک بہت بڑا دروازہ توبہ کا کھول دیا ہے۔ کفر وشرک سے توبہ کی جاسکتی ہے، گناہ وخطا سے بھی توبہ کی جاسکتی ہے، کوئی کتنا خطا کار ہو، کوئی کتنا بدعقیدہ ہو، جب بھی خلوص دل سے یہ چاہے کہ اللہ جو میں نے کیا، غلط تھا آئندہ میں وہ نہیں کروں گا میں تیری بارگاہ میں تائب ہوتا ہوں تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ کَمَنْ لَّا ذَنْبَ لَهٗ (ابن ماجہ) او کما قال رسول ﷺ کہ گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہوتا ہے جیسے اس نے کوئی گناہ کیا ہی نہیں، اس طرح گناہ معاف کردیئے جاتے ہیں لیکن دنیاوی مفاد کے لیے اپنے آرام کے لئے ذاتی مفاد کے لئے حضور اکرم ﷺ کے احکام کی خلاف ورزی کرنا، یہ ایسا جرم ہے کہ اس کی توبہ بھی نہیں ہے۔ جان بوجھ کر حضور ﷺ کے احکام کی خلاف ورزی کرنا یہ ایسا جرم ہے کہ توفیق توبہ بھی سلب ہوجاتی ہے اور اللہ کریم توبہ قبول بھی نہیں فرماتے۔

قبل از اسلام عہد جہالت میں چار مہینے جو حرمت والے ہیں مشرکین بھی ان مہینوں کا احترام کرتے تھے اور ان میں کسی کو لوٹتے نہیں تھے، لڑتے جھگڑتے نہیں تھے۔ لوگ آرام سے ان مہینوں میں سفر کرتے تھے کہ یہ مہینے تو امن کے ہیں، کافر بھی لحاظ کرتے تھے۔ آج کلمہ گو، حرمت والے مہینے کو تو چھوڑو سب سے بابرکت مہینہ، رمضان شریف میں بھی دکاندار لوٹ مار کر رہا ہے ٹرانسپورٹر لوٹ رہا ہے دفتر والے رشوت لے رہے ہیں کوئی ایک بندہ وہ نہیں ہے جو لوگوں کو قتل کر رہا ہے یا ڈاکے مار رہا ہے۔ جتنا جس کا بس چلتا ہے ہر کوئی ڈاکہ مار رہا ہے، اس کی وجہ کیا ہے؟ اس کی وجہ یہی ہے کہ جب ہم نے بلاارادہ حضور ﷺ کے احکام کی پیروی چھوڑ دی تو ہمارے دل سیاہ ہوگئے اور ہمارے پاس توبہ کا موقع بھی ختم ہوگیا۔ مردم شماری میں تو ہم سب مسلمان ہیں، آنکھ بند ہوگی تو پتہ چلے گا کہ کون کتنا مسلمان ہے؟ یہاں تو ہر ایک کا اپنا معاملہ ہے، ہر ایک کا دعویٰ ہے اسلام کا لیکن کردار یہ بتاتا ہے کہ ان لوگوں سے اسلام کا دامن چھوٹ چکا ہے۔

جو لوگ غزوہ تبوک میں نہیں گئے تھے انہوں نے دوسروں سے بھی کہا تھا کہ اتنی سخت گرمی ہے پچھلے سال کھجوروں کی فصل بھی نہیں ہوئی تھی، اس سال مصروفیت بھی ہے، کھجوریں بھی بہت زیادہ لگی ہیں، فصل بھی تیار ہے، سفر بہت لمبا ہے مقابلہ بڑا سخت ہے کہ قیصر کے ساتھ مقابلہ ہے جو دنیا کی سپر پاور ہے۔ اس وقت دو ہی سپر پاورز تھیں فارس اور قیصر، لہٰذا نہ جانا ہی بہتر ہے چونکہ قیصر کا ارادہ اسلامی ریاست پر حملہ کرنے کا تھا

آپ ﷺ نے فیصلہ فرمایا کہ ریاست کے اندر میدانِ جنگ بنانے کی بجائے ہم ریاست کے بارڈر پر جا کر لڑیں گے اور انتہائی گرمی میں سینکڑوں میل کا سفر طے کر کے حضور ﷺ تبوک میں تشریف لے گئے۔ چند مخلص مسلمان پیچھے رہ گئے جو تعداد میں کل چار تھے اور جنہوں نے واپسی پر عذر بھی نہیں کیا صاف بات کی کہ حضور ﷺ غلطی ہوگئی، سستی کی وجہ سے رہ گئے، ان کی توبہ بھی اللہ نے قبول فرمائی۔ انہوں نے کوئی بہانہ نہیں کیا۔ منافقین خود بھی رہ گئے دوسروں کو بھی روکتے رہے کہ اس گرمی میں مت نکلو۔ اب وہ جنگ بھی نہیں ہوئی قیصر میدان جنگ میں آیا ہی نہیں، وہ بھاگ گیا اللہ نے اس پر ایسا رعب طاری کر دیا۔ حضور ﷺ وہاں قیام فرما کر واپس تشریف لے آئے

ارشاد باری ہے (سورۃ التوبہ: 83) کہ اگر اللہ آپ کو ان کے کسی گروہ کے پاس خیریت سے واپس لائے تو پھر یہ بھی کمر بستہ ہو جائیں گے کہ سب خیر ہے، ایسی تو کوئی بات نہیں، حضور ﷺ ساتھ ہوں تو سب خیریت ہوتی ہے۔ تو پھر یہ بڑا زور لگائیں گے کہ حضور ﷺ اب جب بھی جہاد کا وقت آئے آپ ﷺ ہمیں حکم دے کر دیکھئے ہم بالکل تیار ہیں بس ہم سے وہ کوتاہی ہوگئی فَاسْتَاْذَنُوْكَ لِلْخُرُوْجِ پھر یہ آپ سے بڑی اجازت چاہیں گے کہ ہمیں بھی جہاد پر جانے کا موقع دیجئے اور اب ہم آپ ﷺ کے ہم رکاب جائیں گے، فرمایا فَقُلْ لَّنْ تَخْرُجُوْا مَعِيَ اَبَدًا وَّلَنْ تُقَاتِلُوْا مَعِيَ عَدُوًّا آپ ﷺ فرمادیجئے کہ اب زندگی میں کبھی بھی تم میرے ساتھ مت نکلو اور زندگی میں کبھی بھی اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے دشمنوں کے ساتھ جہاد مت کرو۔ اب کوئی فائدہ نہیں اب تمہاری ضرورت باقی نہیں رہی۔ ان کا یہ کہنا کہ حضور ﷺ ہم خادم ہیں ہم ساتھ ہیں، ہم جائیں گے۔ کیا یہ توبہ نہیں تھی؟ ہم نہیں گئے غلطی کی آئندہ جب بھی آپ ﷺ تشریف لے جائیں گے جہاں بھی جہاد ہوگا ہم حاضر ہیں۔ سوال وہ نبی کریم ﷺ سے کر رہے ہیں اور جواب اللہ کریم کی طرف سے عطا ہو رہا ہے کہ میرے حبیب انہیں فرمادیجئے لَّنْ تَخْرُجُوْا مَعِيَ اَبَدًا تم اب کی بات کرتے ہو تم جب تک زندہ ہو کبھی بھی میرے ساتھ مت نکلو وَّلَنْ تُقَاتِلُوْا مَعِيَ عَدُوًّا اور میرے ساتھ مل کر کبھی اللہ کے دشمنوں کے ساتھ جہاد مت کرو، تمہاری ضرورت باقی نہیں رہی۔ یعنی جان بوجھ کر عمداً بلا ارادہ ذاتی آرام کے لئے ذاتی مفاد کے لئے یا دنیا کے فائدے کے لئے نبی کریم ﷺ کی نافرمانی کرنا ایسا جرم ہے کہ ایسے بندے کی توبہ بھی قبول نہیں ہوتی اور وہ ہمیشہ کے لئے مردود ہو جاتا ہے، رد ہو جاتا ہے، شیطان کا ساتھی بن جاتا ہے اِنَّكُمْ رَضِيْتُمْ بِالْقُعُوْدِ اَوَّلَ مَرَّةٍ جب میں نے پہلی دفعہ حکم دیا تھا تو تم پیچھے بیٹھ رہنے پہ راضی ہو گئے اور تم نے اپنے لئے جہاد پر نہ جانا پسند کر لیا، میرے حکم کی خلاف ورزی کرتے ہوئے اپنی جان بچانے کے لئے یا اپنا مال بچانے کے لئے یا اپنی فصل جمع کرنے کے لئے دنیاوی فائدے کے لئے تم نے اطاعت پیغمبر ﷺ کو چھوڑا اور اُس طرف چلے گئے فَاقْعُدُوْا مَعَ الْخٰلِفِيْنَ (التوبہ: 83) اب ہمیشہ کے لئے تم پیچھے رہ گئے اور پیچھے رہ جانے والوں کے ساتھ بیٹھو، اب تمہیں کبھی یہ سعادت نصیب نہیں ہوگی۔

میرا خیال ہے اگر ہم غور کریں تو جو لوگ رمضان المبارک میں بھی ظلم کر رہے ہیں میری دانست میں، میں یہ سمجھتا ہوں کہ یہ لوگ پیچھے رہ جانے والے ہیں۔ کیا فرق پڑتا ہے کہ اگر رمضان المبارک میں ہم ریٹ بڑھانے کے بجائے کم کر دیں؟ ایک شخص دس روپے کی چیز لاتا ہے بارہ روپے کی بیچتا ہے، رمضان میں وہ اٹھارہ روپے کی کر دیتا ہے۔ کیا ہی اچھا ہوتا کہ رمضان میں وہ ایک مہینہ، دس روپے کی لایا تھا دس روپے ہی کی بیچ دیتا، کیا فرق پڑتا؟ اس کے پلے سے تو کچھ نہیں جارہا تھا اس کے اپنے پیسے تو پورے ہو جاتے اور دو روپے منافع جو فالتو اس نے لینے تھے وہ چھوڑ دیتا تو اس سے اللہ کی رضا حاصل ہوتی، برکات حاصل ہوتیں اس کے دس روپے میں اللہ بڑی برکت ڈال دیتا اسے کھانا نصیب ہوتا اسے استعمال کرنا نصیب ہوتا۔ اللہ بڑا بے نیاز ہے۔ لوٹ کر لوگ کروڑوں جمع کر لیتے ہیں، اللہ کھانے پینے پر پابندی لگا دیتا ہے اور استعمال پر بھی پابندی لگا دیتا ہے۔ حسرت سے دیکھتے رہتے ہیں اور چھوڑ کر مر جاتے ہیں۔ یہ معمولی جرم نہیں ہے کہ بلا ارادہ اتباعِ نبوت چھوڑ دی جائے۔ چلو! وہ تو جہاد پر نہیں گئے، ہم جو سارا دن اپنے دنیاوی

کام کرتے رہتے ہیں اور فرائض عبادات چھوڑ دیتے ہیں، ہم چند سجدے نہیں کرتے اس کی ہمیں فرصت نہیں ہوتی اور بڑی عجیب بات ہے اولیت دنیا کے کام کو ہوتی ہے فرصت ملے تو کوئی خوش نصیب ہے جو سجدہ کر لے ورنہ کوئی پرواہ نہیں کرتا۔ حضور ﷺ کے ساتھ جہاد پر نہ جانا جرم تھا تو حضور ﷺ کے اتباع میں فرائض، صلوٰۃ ادا نہ کرنا کیا جرم نہیں ہے؟ حضور ﷺ کی ایک ایک ادا پر یہ قانون لاگو ہو جائے گا کہ جو جان بوجھ کر یا دنیا کے لالچ میں یا آرام کی خاطر حضور ﷺ کے حکم کی خلاف ورزی کرے گا یہ وہ جرم ہے کہ اس کی توبہ بھی قبول نہیں ہوگی۔ انہوں نے توبہ تو کی نا، اور توبہ کیا کرتے؟ انہوں نے کہا اب حکم دیجئے اب جہاں بھی جہاد ہوگا ہم پہلے حاضر ہوں گے۔ اللہ کریم نے منع کر دیا، فرمایا نہیں اب تمہاری ضرورت نہیں ہے، تم نے جب ایک دفعہ اپنے لئے مخالفت رسول ﷺ کو پسند کر لیا اب تم مخالف ہی رہو۔ اب بیٹھے رہو اور دیکھو اللہ کیسا قادر ہے کہ تمہارے بغیر بھی اپنے نبی ﷺ کی نصرت فرماتا ہے اور اسے فاتح فرماتا ہے اور اسے قوت دیتا ہے۔ فتح و شکست تو اللہ کے دست قدرت میں ہے۔

سو میرے بھائی ہمیں اپنی زندگیوں میں اس نظر سے جھانکنا ہوگا کہ میرا جو کردار ہے میرا جو عمل ہے میری جو سوچ ہے میری جو فکر ہے اس میں کیا اتباع رسالت ﷺ کی اہمیت زیادہ ہے یا میرے ذاتی کام، ذاتی آرام اور میری ذاتی منفعت کی؟ یہ ہمیں سوچنا ہوگا کہ اگر کوئی ذاتی مفاد کو اتباع رسالت ﷺ پر ترجیح دے گا تو یہ وہ جرم ہے کہ جو جرم تو ہو جاتا ہے اس کی تلافی نہیں ہوتی اس کے لئے اللہ نے توبہ کا دروازہ بھی نہیں رکھا۔ کمال ہے بارالٰہا! لوگ تیری ذات کا انکار کرتے ہیں، تیری مخلوق کو تیرا شریک بنا لیتے ہیں، فرضی ناموں سے دیوتاؤں کو تیرا شریک بنا لیتے ہیں، تیری ذات کے ساتھ پتھروں تک کو تیرا شریک بنا لیتے ہیں اور کفر کرتے ہیں تیری اطاعت نہیں کرتے ان کے لئے تُو نے توبہ کا دروازہ بند نہیں کیا، وہ توبہ کرتے ہیں تُو قبول فرما لیتا ہے وہ مسلمان ہو جاتے ہیں۔ یہاں جس نے نبی کریم ﷺ کی ذات پر اپنے مفادات اپنے آرام اپنے مال و دولت کو ترجیح دی اتنا سخت قانون لاگو کر دیا کہ تُو نے اس پر توبہ کا دروازہ ہی بند کر دیا۔ یہ معاملہ ہی اتنا نازک تھا جو اللہ کی نافرمانی کرتے ہیں اللہ انہیں گھر گھر بتانے نہیں آتا، انہیں قدرت کے آثار سے اور قدرت کی صناعی اور کائنات کو دیکھ کر اللہ کی عظمت کا اندازہ کرنا ہوتا ہے، احساس کرنا ہوتا ہے، کبھی نہیں بھی کر سکتے لیکن جب وہی اللہ ایک ہستی کو منتخب کر کے اتنی عظمت بخشے کہ بعثت سے لے کر قیامت تک آنے والی ساری مخلوق کو تُو نے میرا پیغام پہنچانا ہے ذاتی طور پر پہنچانا ہے اور انہیں کہنا ہے کہ اللہ یہ فرما رہا ہے۔ اب جب کوئی بندہ اس حکم کو رد کرتا ہے تو گستاخ رسول ﷺ تو ہوا ہی، کیا اس اللہ کی بارگاہ کا گستاخ نہیں ہوتا جس نے اپنے رسول ﷺ کو عظمتوں کے ساتھ مبعوث فرمایا اور یہ دو ٹکے کا آدمی اس کی بات نہیں سنتا۔ پھر اس کا کوئی حق باقی بچ جاتا ہے کہ اسے معاف کیا جائے اور اس سے درگزر کیا جائے؟ اللہ نے جو کیا وہی انصاف ہے، ہم ایک عام آدمی ہیں عاجز مخلوق ہیں ہمارا کچھ اختیار نہیں، بیٹھے بیٹھے دم نکل جائے، نکل سکتا ہے بیٹھے بیٹھے بیمار ہو جائیں، ہو جاتے ہیں، بیٹھے بیٹھے امارت سے غربت آ جائے، آ سکتی ہے۔ کوئی غائبانہ ہماری مخالفت کرتا رہے ہم پرواہ نہیں کرتے لیکن کسی کے پاس ہم اپنے بھائی کو بیٹے کو اپنے دوست کو اپنے عزیز کو اپنے بہت قریبی بندے کو بطور وفد بھیجیں کہ یار یہ بات اس طرح صحیح ہے اور وہ کہے مجھے تمہاری پرواہ نہیں تو کیا ہوگا؟ ہمارے پاس اس کی معافی کا کوئی تصور ہے؟ تو وہ تو رب جلیل ہے، مالک کائنات ہے، اس نے اپنے نبی ﷺ کو قاصد بنا کر بھیجا ہے، ماوشما انکار کر دیں اور کہیں ہم سے یہ نہیں ہو سکتا، کتنی گستاخی ہے اور کس بارگاہ کی گستاخی ہے اور پیچھے رہ جانے والوں کے بارے اللہ نے ارشاد فرما دیا پہلے سے کہ جب آپ ﷺ ان کے پاس پہنچیں گے فَاسْتَاْذَنُوْكَ لِلْخُرُوْجِ تو یہ بڑے بھاگ کر آئیں گے کہ جناب آپ حکم دیں ہم حاضر ہیں جہاں جہاد ہو ہم جائیں گے جانیں قربان کر دیں گے فَقُلْ میرے حبیب ﷺ انہیں فرما دیجئے لَّنْ تَخْرُجُوْا مَعِيَ اب تمہارا وقت نکل چکا اب تمہارے جہاد کی ضرورت نہیں، اب تم میرے ساتھ مت آؤ وَّلَنْ تُقَاتِلُوْا مَعِيَ عَدُوًّا اب میرے ساتھ مل کر تم دشمنوں کے ساتھ جہاد

بالکل نہ کرو اس لئے کہ اِنَّكُمْ رَضِيتُمْ بِالْقُعُودِ اَوَّلَ مَرَّةٍ جب پہلے تمہیں حکم دیا گیا تھا تو تم نے میری اطاعت کی بجائے پیچھے رہنے کو ترجیح دی تم نے خود پیچھے رہنا چن لیا فَاقْعُدُوا مَعَ الْخٰلِفِيْنَ (التوبہ:83) اب زندگی بھر پیچھے رہ جانے والوں کے ساتھ ہی رہو۔

ہم ان احکام کا اطلاق دوسروں پر تو بڑے جوش و خروش سے کرتے ہیں لیکن حق یہ ہے کہ قرآن ہر فرد کو ذاتی طور پر مخاطب کرتا ہے، مجھے اپنی ذات کا جائزہ لینا چاہیے اور آپ کو اپنی ذات کا کہ کہیں ہم سے یہ جرم تو سرزد نہیں ہو رہا۔ کہیں ہم پر زکوٰۃ فرض ہوتی ہے تو ہم یہ تو نہیں سوچتے کہ چھوڑو یار کون دیتا رہے؟ کہیں ہم اپنے سرمائے پر سود تو نہیں کھا رہے؟ کہیں ہمارے کاروبار اور دنیاوی مصروفیات نے ہم سے عبادت اور سجدے چھڑا تو نہیں دیئے؟ اگر کوئی جان بوجھ کر ایسا کرے گا، سستی سے رہ جائے گا غلطی ہو جائے تو توبہ قبول ہو جائے گی لیکن کوئی جان بوجھ کر کہے گا مجھے ایسا ہی کرنا ہے تو اس سے توبہ کی توفیق بھی سلب ہو جائے گی۔

پھر یہی سزا یہاں بس نہیں فرمائی حضور صلی اللہ علیہ وسلم رحمت اللعالمین تھے، کوئی کچھ بھی کرتا حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کے ساتھ رحمت کا برتاؤ فرماتے۔ عبداللہ ابن ابی نے بے شمار گستاخیاں کیں اور مخالفت کی بلکہ غزوہ بدر کا سبب بھی اس کی سازشیں بنیں اور اس نے مشرکینِ مکہ کو جا کر ابھارا کہ تم سمجھے کہ وہ لوگ مدینہ چلے گئے تو ختم ہو گئے، انہوں نے تو وہاں مواخات قائم کر لی ہے، زراعت کر رہے ہیں، کاروبار کر رہے ہیں، تجارت کر رہے ہیں وہ تو پھل پھول جائیں گے اور تمہارے لئے مصیبت بن جائے گی، باہر نکلو۔ غزوہ اُحد کے دن اپنے تین سو ساتھیوں سمیت عین جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم میدان اُحد میں پہنچے تو چھوڑ کر الگ ہو گیا اور بھاگ گیا، پھر غزوہ خندق کے لئے پورے عرب کا اس نے دورہ کیا اور مختلف قبائل کو مشرکین مکہ کے ساتھ آنے پر آمادہ کیا۔ بہت گستاخیاں کیں لیکن جب وہ مرا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے کفن کے لئے اپنا کرتا مبارک عطا کر دیا۔ سیدنا فاروق اعظم نے دامن رحمت تھاما اور عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اتنا کرم اس پر نہ کیجئے اور نہ اس کا جنازہ پڑھیے، نہ اس کی قبر پر جائیے۔ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم رحمت اللعالمین تھے، فیصلہ تو اللہ نے کرنا ہے۔ اللہ کریم نے فرمایا نہ صرف یہ کہ ان کی توبہ قبول نہیں ہوگی وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا میرے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم آج کے بعد ان میں سے کوئی بھی مر جائے آپ اس پر جنازے کی نماز نہیں پڑھیں گے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے لئے دعا نہیں فرمائیں گے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر کرم نہیں فرمائیں گے وَلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ فرمایا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی قبر پر بھی تشریف نہ لے جائیے، ورنہ تو جو مسلمان فوت ہوتا حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی حیات مبارکہ میں اس کا جنازہ پڑھاتے اس کی قبر پر تشریف لے جاتے، دُعا فرماتے اور اپنے سامنے دفن فرماتے۔ فرمایا منافقین کو یہ حق حاصل نہیں ہے، جنہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع ذاتی آرام یا دنیاوی فائدے کے لئے چھوڑ دیا ہے ان کو یہ سعادت نصیب نہیں اِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَمَاتُوْا وَهُمْ فٰسِقُوْنَ (التوبہ: 84) انہوں نے کفر کیا عظمت الٰہی کا انکار کیا، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کیا اور نافرمانی کی حالت میں ان کی موت واقع ہوگئی۔

اب ہم اندازہ کر سکتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کتنا بڑا جرم ہے، عظمت الٰہی کا اندازہ کیجئے جو ساری کائنات کا خالق اور واحد مالک اور حکمران ہے ہر ذرے کو زندگی، ضروریات زندگی، وجود، وہی ایک ذات فراہم کر رہی ہے اس کے انبیاء کی عظمت کا اندازہ کیجئے پھر اس رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کا اندازہ فرمائیے جو تمام نبیوں کا بھی امام اور تمام مخلوق اور اللہ کے درمیان واحد واسطہ اور ذریعہ ہے۔ اللہ کا پیغام لے کر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائیں اور میں اور آپ کہیں نہیں جی ہمیں تو فرصت نہیں ہے تو پھر نتیجہ کیا ہوگا؟

تو میرے بھائی اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کی اطاعت کے سوا زندگی کا کوئی دوسرا راستہ نہیں ہے۔ ہر راستہ عذاب الٰہی کی طرف جاتا ہے، بندے کو اپنے آپ کے ساتھ تو کوئی نیکی کرنی چاہیے، اپنے آپ پر تو رحم کرنا چاہیے اور اپنے آپ کو تو اللہ کے غضب سے اور نافرمانی سے بچانا چاہیے۔ اللہ پاک سمجھ بھی دے، شعور بھی دے اور توفیق بھی دے اور ہمیں اپنے اطاعت شعار بندوں کے ساتھ رکھے اور نافرمانی سے اپنی پناہ میں رکھے۔ (بشکریہ روزنامہ "نئی بات"، لاہور)

مسائی جمیلہ

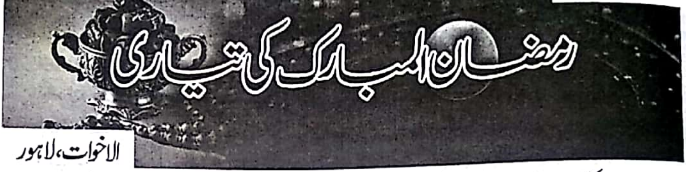

رمضان المبارک کی تیاری

الاخوات، لاہور

رمضان کی آمد پر 14 مئی 2016 کو ایک پروگرام الاخوات، لاہور کی طرف سے لاہور لبرٹی مارکیٹ میں منعقد ہوا۔ پروگرام کا آغاز تلاوتِ قرآنِ پاک سے ہوا صدر الاخوات، لاہور نے مہمانِ خصوصی کا تعارف پیش کیا۔

مہمانِ خصوصی، محترمہ اُم فاران نے دعائیہ کلمات سے بیان کا آغاز کیا۔ انہوں نے کہا رمضان المبارک رحمتوں اور برکتوں کا مہینہ ہے جو اللہ کریم کی طرف سے ایک Package Deal کی طرح ہے۔

گو ہمہ وقت ہم اس کی رحمتوں کے سائے میں ہیں لیکن یہ ایک مہینہ اس کی رحمت کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر بن جاتا ہے۔ ہمیں مجاہدہ اضطراری کرایا جاتا ہے تاکہ سال بھر میں ہم سے جو کوتاہیاں ہوئیں، جو غفلت برتی گئی اس کی ذات، اس کی یاد سے اور جتنی کمی اور دوری واقع ہوگئی ہمارے اعمال کے نتیجے میں وہ سب بھی پوری ہو جائے اور آئندہ آنے والے سال بھر کے لیے اللہ سے ایسا تعلق ذاتی قائم ہو جائے کہ اس کی دُوری، اس کی ناراضگی گراں بار ہو جائے، ناقابلِ برداشت ہو جائے۔ جیسے بچہ ماں سے بچھڑ کر تڑپتا ہے، بھری دنیا میں خود کو تنہا پاتا ہے غیر محفوظ محسوس کرتا ہے اسی طرح اس کی ذات، سے جس نے ہمیں پہلی بار میں تخلیق کیا، ہمیں وجود بخشا، ہماری ضرورتیں بنائیں اور پھر ان ضرورتوں کو پورا کرنے کے اسباب پیدا فرمائے۔ سانس لینے سے لے کر کھانے پینے، رہنے، سونے، تحفظ اور زندگی کی ہر نہج میں آگے بڑھنے کی لگن اور ان تمام ضرورتوں کو پورا کرنے کا شعور اور ذرائع عطا فرمائے۔ شفقت سے پال پوس کر بڑا کرنے والے ماں باپ دیئے۔ زندگی کو صرف صبح سے شام نہیں کرنا پھر اس نے اس زندگی کو بسر کرنے کے طریقے بتائے، ہماری رہنمائی کے لیے اپنے نبی و رسُل بھیجے کہ زندگی یوں بسر کرو اور آخر میں یہ بھی بتا دیا کہ یہ سارا کچھ کوئی کھیل تماشہ نہیں ہے، نہ ہی انسان کو مر کر مٹی میں مل جانا ہے۔

''میں نے چاہا کوئی مجھے تلاش کرے تو میں نے انسان کو پیدا کر دیا۔'' زندہ رہو تو ہر چیز میں، ہر عمل میں اُسے تلاش کرتے رہو، اللہ کی مرضیات کو بھانپ کر عمل کرو کہ وہ کس عمل سے خوش ہوگا اور کس عمل سے ناراض، کون سا عمل اُس سے مجھے قریب کر دے گا اور کون سا دور۔ تم خلیفۃ الارض ہو کہ جب مر گئے تو گھاس پھونس کی طرح یا جانوروں کی طرح مٹی میں مٹی نہیں ہو جاؤ گے۔ عقیدۂ آخرت دیا کہ ہر ہر عمل کا حساب ہوگا۔ وہاں بھی وہی کامیاب ہوں گے جو اس کی رحمت کے سائے میں آ جائیں گے۔ اگر وہ انصاف کرنے پہ آ گیا تو ہم تو اس کی بے بہا نعمتوں کے شکر سے بھی قاصر ہیں، اس کا حق ہم سے کیونکر ادا ہوگا۔

جان بھی اگر اس کی راہ میں لُٹا دیں تو وہ بھی تو اُسی کی دی ہوئی ہے۔

حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

جب زندگی کو اس پیرائے میں دیکھا جائے تو سمجھ آتا ہے۔ کیا کرنے آئے تھے اور کیا کر چلے۔۔۔ عارضی لذات اور عارضی آرام کے پیچھے پڑ کر ہم اپنی اصل مسافت اور حقیقی منزل کو بھول گئے۔ یہ دنیا تو اس نے ہمارے برتنے کو بنائی تھی اور جو اس کی طلب نہیں بھی کرتا اسے بھی مل جاتی ہے اور جو یہ تک نہیں مانتا کہ یہ اللہ کی عطا ہے یا اس کی ذات ہی سے منکر ہے اسے بھی دنیا تو مل رہی ہے اور اپنے تمام تر لوازمات سمیت مل رہی ہے۔ ہمیں تو اُس کو پانا تھا جس نے یہ دنیا بنائی ہے، ہمیں بنایا ہے۔

اس عہد کے انساں سے کچھ بھول ہوئی ہے!

اس دور کی سب سے بڑی ضرورت ہی یہی ہے کہ اِس احساس کو زندہ کیا جائے۔ اللہ سے تعلق، اس کی بندگی کی طلب اور اس کی رضا و خوشنودی کی تڑپ دلوں میں بیدار کی جائے۔ درست منزل کا تعین کر لیا جائے تو راستے وہ خود آسان کرتا چلا جاتا ہے۔ ہم ارادہ کرتے ہیں تو وہ اسباب پیدا فرما دیتا ہے کہ اُسے ہماری درماندگی کی خبر ہے۔ وہ فرماتا ہے تم ارادہ کرتے ہو میں بڑھ کر تھام لیتا ہوں، تم چل کر آتے ہو میں دوڑ کر آتا ہوں، تم ایک ہاتھ آگے بڑھتے ہو میں دس ہاتھ بڑھتا ہوں۔ روزہ اور ماہِ صیام بھی اِسی سلسلے کی ایک اہم کڑی ہے کیونکہ روزہ وہ خاص عبادت ہے جس کا اجر ہی یہی ہے۔

اَلصَّومُ لِی وَ اَنَا اَجزِیْ۔۔۔

روزہ میرے لیے ہے اور میں ہی اس کی جزا دیتا ہوں۔

روزے دار کو وہ اپنی حلال کردہ نعمتوں سے بھی منع فرما دیتا ہے کہ کون ہے جو اس کی محبت میں ہر ضرورت، لذت اور طلب سے رُک جاتا ہے۔ روزے کی دوسری فضیلت یہ ہے کہ وہ ہمہ وقت متوجہ الی اللہ رہتا ہے، ہر آن یاد رکھتا ہے کہ اسے کچھ نہیں کھانا پینا، کوئی فضول حرکت نہیں کرنا جھوٹ نہیں بولنا، غیبت نہیں کرنی۔ کوئی غلط بول بول دے تو کہو "میں روزے سے ہوں۔"

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ انسان یہ کر گزرے تو اس کا اجر میرے ذمہ ہے۔ سورۃ البقرہ میں فرمایا کہ "تم پر روزے فرض کئے گئے ہیں جیسے کہ پہلی امتوں پر فرض تھے۔" کیوں؟ "لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ" تاکہ تم میرے قُرب کی لذت کو چکھ سکو۔ حضرت جی اس کی بہت ہی خوبصورت تشریح فرماتے ہیں، کہ عام طور پر اس کا ترجمہ کیا جاتا ہے" تاکہ تم تقویٰ اختیار کرو یا پرہیز گار بنو۔" یہ تقویٰ اور پرہیز گاری کیا ہے؟ فرماتے ہیں: یہ ایک کیفیت کا نام ہے، اللہ سے محبت اور قرب کی ایسی حالت کہ اس کی ناراضگی کا خیال بھی گراں گزرے۔ تقویٰ کا ترجمہ اگر ڈر کیا جائے تو خوف والا ڈر نہیں بلکہ یہ ڈر دل میں بیٹھ جائے کہ کہیں میرا اللہ مجھ سے ناراض نہ ہو جائے۔ تقویٰ کا ترجمہ اگر بچنا کیا جائے تو ہر اس عمل سے بچنا جس میں یہ احتمال ہو کہ اللہ ناراض ہو جائے گا۔

اور درحقیقت وہ ایسی ہی محبت کا سزاوار ہے، ایسے ہی تعلق کا حقدار ہے اور اسی میں ہمارے لیے دارین کی فلاح ہے۔ یہی کیفیت مومن کے لیے مطلوب بھی ہے اور مقصود بھی۔

رمضان المبارک وہ مہینہ ہے جب اللہ کریم اپنی کمالِ رحمت کے باعث ہم میں سے ہر ایک کو پابند کر دیتے ہیں کہ دنیا کی ضروریات و لذات کو چھوڑ دو۔ پکڑ کر مجاہدے پہ لگایا جاتا ہے۔ ہمارے معدے کی، ہمارے جسموں کی، ہمارے دلوں کی اور سوچ کی تطہیر کی جاتی ہے کہ اللہ سے تعلقِ ذاتی اور قرب کی لذت کو محسوس کر سکیں۔ جس کے سامنے پیاس میں پانی کی لذت ہیچ ہے، بھوک میں کھانے کی لذت بہت کمتر ہے۔

جو اس کی شرابِ محبت کا ایک قطرہ بھی چکھ لے گا تو اس کے لیے دنیا کے تمام نعمتیں ثانوی ہو جاتی ہیں۔ ہم اس کی برگزیدہ ہستیوں کو دیکھتے ہیں کہ کس طرح اُن کے سامنے دنیا کا مال و جاہ ہیچ ہوتا ہے۔ وہ کتنا کریم ہے کہ ہر خاص و عام کے لیے اس شرابِ محبت کو عام کر دیتا ہے کہ آؤ تم بھی چکھو۔ اور اگر وہ ہم سے ستر ماؤں جتنی محبت نہ کرتا ہو تو اسے کیا پڑی ہے کہ وہ ہم جیسے غفلت زدوں کو پکڑ پکڑ کر چکھا رہا ہے۔ ہم مانیں یا نہ مانیں، ہمیں ادراک ہو یا نہ ہو اس کی بادشاہت کائنات کے ہر ہر ذرے کو محیط ہے، ہر آن ہے، لازوال ہے اور ازلی و ابدی ہے۔ یہ ہماری ضرورت ہے کہ ہم خود کو پہچانیں کہ ہم کون ہیں؟ ہم کیوں ہیں؟ تاکہ ہم اپنے مقصدِ حیات کو پا سکیں۔ دائمی فلاح کو پا سکیں۔

اکثر ہم خود بھی کہہ رہے ہوتے ہیں کہ اس دفعہ روزے بہت سخت ہوں گے۔ دن بہت لمبے ہیں اور گرمی عروج پر ہے۔ لیکن اس کی محبت میں تڑپ جانا، اُس طرح نہ سہی جو انبیاء و صلحاء اور اولیاء اللہ کا خاصہ ہے، اِسی طرح سہی، کچھ حصہ تو ہم جیسے بھی پالیں گے۔ محبت میں نہ تڑپے تو بھوک پیاس سے ہی سہی لیکن وہ جو آپؐ نے فرمایا ہے کہ "رونا نہ بھی آئے تو رونی صورت ہی بنالو۔" کیا خبر اللہ کو کس کی کونسی ادا پسند آجائے۔

رمضان کی ایک ایک ساعت قیمتی ہے گنتی کے دن ہیں، کل ہم یہ

کہیں گے رمضان کس قدر جلدی گزر گیا۔ ہم نے اگر ان قیمتی لمحات سے کماحقہٗ فائدہ اُٹھایا، دن فلمیں دیکھ کر یا سو کر نہ گزارا اور راتیں کھاتے پیتے اور ہلا گلا کرتے نہ گزاریں جیسا کہ اب رواج ہو چلا ہے، تو رمضان گزر بھی گیا تب بھی ختم نہیں ہوگا۔ جس طرح بیٹری کو چارج کر لیتے ہیں اگر ہمارے قلوب بھی اللہ کے انوار و برکات سے چارج ہو گئے تو غیر رمضان کے گیارہ مہینے بھی، ہم اللہ کی یاد اور مرضیات سے وابستہ رہیں گے۔ رمضان سے جو نفس کی خواہشات پر کنٹرول کی تربیت ہوگی وہ ہمیں سال بھر تک خواہشات کی قربان گاہ پہ قربان ہونے سے بچائے گی۔

نبی کریم ﷺ رمضان سے قبل ہی آمدِ رمضان کی خوشی میں روزے رکھنے شروع کر دیتے تھے اور پھر شوال میں بھی رکھتے تھے کہ یہ نہیں خیال گزرے کہ ہم نے رمضان ختم ہونے پہ شکر منایا۔ شعبان اور شوال کی فضیلت بھی مصدقہ ہے۔ رمضان کی تیاری کے سلسلے میں ہمیں چاہئے کہ رمضان کے فضائل پہ مستند کتب کا ضرور مطالعہ کریں۔ رمضان کی فضیلت میں بے شمار احادیث ہیں، ان کا مطالعہ کریں تاکہ ہمارے اذہان میں رمضان کی قدر و قیمت تازہ ہو جائے۔

خواتین کے لیے ایک مشورہ یہ بھی ہے، کچھ کھانے اور افطار کی چیزیں Semi Cook کر کے فریز کر لیں تاکہ ان کا زیادہ سے زیادہ وقت عبادت میں گزرے نہ کہ سحر و افطار بنانے میں۔ نیز یہ بھی اہم ہے کہ سحر و افطار کی پارٹیاں کرنے اور جانے کی بجائے اپنی ایک روٹین بنالی جائے جس کے تحت زیادہ میل جول سے اجتناب کیا جائے اور رمضان کی اصل روح ''مجاہدہ'' پر زیادہ زور دیا جائے۔ عبادات کو رواجات کی بھینٹ مت چڑھنے دیں۔ شیطان جب ہم سے کوئی عبادت چھڑوا نہیں سکتا تو اُس دن یا مہینے اور عبادت سے متعلق من گھڑت رواجات میں مشغول کر دیتا ہے۔ افطار پارٹیاں بھی انہی میں سے ایک ہیں یا ہوٹلوں میں جا کر سحر و افطار کرنا۔ عبادت تو خالص اللہ کی رضا کے لئے ہونی چاہئے، افطار کرانا ہے تو غرباء کو کرائیے، مستحقین کے گھروں میں راشن ڈلوا دیجیے مگر غیر اعلانیہ تاکہ نفس کے ایک اور وار ''ریاء'' سے بچ سکیں۔

یقیناً آپ کو یہ خیال گزرا ہوگا کہ شیطان تو قید ہے، بجا! لیکن ہمیں اللہ نے جب شیطانوں سے پناہ مانگنے کا حکم دیا تو سکھایا کہ ''میں پناہ مانگتا ہوں ان شیطانوں سے جو جنوں میں سے ہیں اور انسانوں میں سے ہیں۔'' بے شک جن شیاطین تو قید ہو جاتے ہیں لیکن وہ انسان جو شیطان کی تقلید میں، اس کے پیروکار بن چکے ہیں وہ تو آزاد ہیں۔ ہر رواج کی تقلید ضروری نہیں۔

اپنے صبح و شام کے اوقات کو اس طرح ترتیب دیں کہ جس میں تلاوت کے لیے، ذکرِ الٰہی کے لیے، نوافل کے لیے اور تسبیحات کے لیے وقت یا مقدار مقرر کر لیں۔ ذکر کریں تو یکسو ہو کر۔ تلاوت کریں تو سمجھ کر اور نماز ادا کریں تو اللہ کو حاضر و ناظر جان کر۔ اگر ہماری عبادات ان احساسات سے عاری ہوں گی تو پھر کماحقہٗ فائدہ نہیں ہوگا۔ محسوس کرنا دل کا فعل ہے۔

دل زندہ ہو تو محسوس کر سکتا ہے
کون کہتا ہے اُسے دیکھا بھی نہیں
ذکر اس کا جو رگ و پے میں سما جائے گا
ایسا شعلہ سا اُٹھے گا جو بجھے گا بھی نہیں

ذکرِ قلبی کی یہ خاصیت ہے کہ وہ دلوں کو زندہ کر دیتا ہے بس نیت خالص چاہئے۔ نیت کے پیدا ہونے کا مقام بھی قلب ہے۔ ہمیں ہمارے شیخ نے ایک ہی چیز سکھائی ہے قلوب پہ محنت کرنا، اللہ کے پاک نام سے ان کو پاک کرنا، ان کا تزکیہ کرنا۔ تاکہ ہماری عبادات ہمارا حال بن جائیں نمازوں میں حضوری کا کیف ہو، سجدوں میں قرب کی لذت، اللہ اکبر کہیں تو اس کی بڑائی سے ہیبت طاری ہو جائے۔ نیکی کی حلاوت اور گناہ کی تلخی محسوس ہو تو کون ہے جو شیریں کو چھوڑ کر تلخ کے پیچھے بھاگے گا۔

اللہ کریم نے اگر زندگی میں ہمیں ایک اور موقع عنایت کیا ہے کہ ہم اس کی رحمتوں سے اپنے دامن بھر لیں تو اپنے دلوں میں یہ عہد کر لیں کہ یہ رمضان گذشتہ ہر رمضان سے بڑھ کر ہوگا۔ ہر ہر لمحہ قیمتی جان کر اپنے اوقات اور اذکار و عبادات کی نگرانی کریں کہ کوئی لمحہ رائیگاں نہ جائے۔ اللہ کریم ہمیں اس کی توفیق ارزاں فرمائے۔

انار ایک نہایت لذیذ پھل ہے۔ یہ تازہ دم کرنے، راحت بخشنے اور جلد ہضم ہونے والا پھل قدرت کی طرف سے ایک تحفہ ہے۔ یہ بطور خوراک اور غذا استعمال کیا جاتا ہے۔ انار کی تقریباً 140 اقسام ہیں جو کہ مختلف ممالک میں پائی جاتی ہیں۔ انار، سرخ، سفید، گہرا گلابی، اور گہرا سرخ وغیرہ رنگوں میں ہوتا ہے۔ انار صدیوں پرانا پھل ہے، مصری لوگ اسے ایک مقدس پھل سمجھتے تھے۔ انار کو سب سے پہلے ایران میں کاشت کیا گیا۔ پھر اسکی کاشت دنیا کے مختلف ممالک، چائنا، انڈیا، شمالی افریقہ، یورپ، میکسیکو اور امریکہ میں کی گئی۔ انار کا ذکر قرآن مجید میں بھی ملتا ہے۔ قدیم صحرائی لوگ انار کو لمبے سفر میں ساتھ رکھتے تھے کیونکہ اسکا جوس پیاس کی شدت کو ختم کرتا ہے۔ انار کے بیجوں کو خشک کر کے استعمال میں لایا جاتا ہے جسے انار دانہ کہتے ہیں۔ انار جگر کی کمزوری اور گرمی کو دور کرتا ہے، بخار، دست، یرقان، استسقاء، خفقان میں مفید ہے۔

انار کے پھول، گل انار کو باریک کر کے خون کے بہاؤ کو روکنے میں استعمال کیا جاتا ہے۔ ایک انار کے اندر تقریباً 800 سے زیادہ دانے ہوتے ہیں۔

مزاج:۔

انار کا مزاج سرد تر ہوتا ہے اور بعض اسے سرد معتدل بھی کہتے ہیں۔

غذائی تجزیہ:۔

غذائیت	فیصد	منرلز اور وٹامنز	ملی گرام
نمی	78.0	کیلشیم	10
لحمیات	1.6	فاسفورس	70
روغنیات	0.1	فولاد	0.3
دھاتیں	0.7	وٹامن سی	16
ریشے	5.1	بی کمپلیکس	تھوڑی مقدار
کاربوہائیڈریٹس	14.5	Calories	65

(جاری ہے)

knowledge Allah □ has given me, I can gather that it's not only the paths that are lit up but also are the stretched out deserts and the skies. Each particle of the air is glowing with 'Noor'. I remember asking my Sheikh Rehmatullah Alaih, some thirty years ago," it makes sense that the ground the Prophet □ walked upon would be glowing with 'Noor' but why the skies?" He replied, "These are the blessings (barkaats) emanating from Rasoolullah's □ eyes. Where ever His eyes travelled, they lit that place up." Imagine a being, whose single glance can leave such a mark on the environment, and even then he is being told to do Zikr Allah. It can thus be gathered that whoever chooses to follow the Prophet □ then he has no choice but to practice 'Zikr-e-Dawam' (the method of continuous and everlasting Zikr). If the President of a country is not above a certain law, then surely it is incumbent on the masses to follow it, also.

It is improper to presume that the Pir (religious/spiritual leader) performs the remembrance of Allah (SWT) only and the followers may buy their way into the Heaven by presenting the Pir, with gifts. Neither can a Pir give you anything from his share nor can you receive from him. One shall reap only what one sows. You go to a doctor and get the medicines prescribed but then do you expect to be cured of the disease, by asking the doctor to take the medicines himself. Why then in matters of religion, we apply this rule, that we'll pay the Pir a certain sum and, in lieu, he'll practice religion, on our behalf. Heaven is not attained through trading nor can it be bought with money, it's a matter of the heart.

Pir(spiritual leader) is one who has the capability to pass on the Blessings of Prophet Muhammad .□, to the one who comes seeking for these Blessings; all others are just myths and tales made up to romanticize spiritualism. Next to Allah (SWT) they hold no meaning. Two kinds of religious leaders exist, to further the cause of Prophet □. One, are the religious scholars, the true ones, who guide the people to the Quran, word of Allah (SWT), and the Sunnah, the Rasoolullah's □ way. They have their own, honorable standing. The other, are the spiritual teachers, who are responsible for passing on the Blessings and inner feelings of faith. They have a higher standing because they deal in much more precious things. They furnish people with the believing hearts. One should stay in the company of such people, who relay to us, the words of Allah (SWT) and His Messenger (SAWS), who practice it themselves and encourage us, to do so. Such a teacher will be the right choice for the true seeker. It would indeed be a Blessing of Allah (SWT) to find such a person, who cures the ailments of the heart. It is indeed a unique favor of Allah (SWT), for some have spent their whole lives, looking for a person who can deliver these precious goods to them.

Once we were going with Hazrat ji (Rahmat ullah alae) to a village beyond, Gujrat. On the way, we passed by a grave and Hazrat ji (Rahmat ullah alae) asked us to slow down the car. For a few moments, he went into 'Muraqabah'. I couldn't contain my curiosity and later inquired about the slowing down of the car, meditating at the moment, and going into Muraqabah. He smiled and replied that the grave was of a person, who had looked for a spiritual teacher all his life; a person who could equip him with a yearning heart. Therefore, Hazrat ji (Rehmat Ullah Alae) took it as a sign from Allah (SWT) to help him, and thus made him do the Lataif and, then, Muraqabah-e-Salasaa.

To be Continued...

Zikr Allah? If animals which are not answerable for their actions, are considered nullified when their life's last breath does not expire in the name of Allah (SWT), then what answer do we have, for every breath of ours that goes without Zikr Allah? It is because of this very reason why the Sufis, have a saying, which goes 'A moment which is spent inattentive (towards Allah (SWT), is a moment deemed lost' meaning all such moments are considered to have been spent, in negligence, in ungratefulness.

وَاذْكُرْ رَبَّكَ *Remember your Lord.* It needs consideration here that by which of our Lord's name, should we remember Him? Allah (SWT) has ninety nine names like *Al-Rahman, Al-Raheem, Maalik e Yaom udeen*(Lord of the day of judgment), *Al-Qa-haar, Al-Sattaar,* to mention a few. Elucidation given by the Quran is the best one, and where the Quran does not give the clarification, the explanation is done by the Prophet □. There is no room for any other person to come up with his own interpretation. Gleaning gems from within the explanation done by the Prophet □ and doing commentary of the Quran, is possible as long as they stay within the realm of the explanation (set by Prophet)□); transgressors of which have been warned of serious consequences. The Prophet □ says, *"He who tells lies about me, let him take his place in Hell"(Al-bukhari 1229*).

The readers and listeners of the Commentary of Quran think that it is Prophet's □ word that is being relayed to them; when that is not true then it is tantamount to lying against the Prophet □ and if lying against Prophet □ lands one in Hell then what of the person who lies directly against Allah (SWT)?

Coming back to the matter that by which name should one remember Allah (SWT). It has been clarified by Quran itself in Surah Muzammil, where Prophet □ is directly being addressed قُمِ الَّيْلَ *Awaken in nights.* It could mean half the night or even more than that and to read the Quran with perfect elocution and fervor. Then, Allah (SWT) says, نِّصْفَهُ أَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيْلًا ۙ أَوْ زِدْ عَلَيْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا He is the Creator of human beings and also the Creator of their needs, desires and wishes. He (SWT), is aware that it is difficult for them to be awaken at nights; but it will end up as being gratifying for them. There is a certain pleasure in invoking one's Lord, when mankind is slumbering away in ignorance. Confiding in your Lord in the wee hours of the night has its own sweet pleasure and worth. Next question that comes to one's mind is what to say to Allah (SWT), in those wee hours? وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ Start a litany (zikr) of Allah's name. How long should one do it? وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيْلًا till all thoughts and feelings leave one's mind and those of Allah (SWT), only, prevail; meaning thereby to be cut off from all the things, and to be focused on Allah's Zikr, only. The condition of وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيْلًا is set, which means to be disengaged, so fully, in rapt of something that one is unaware of everything else. So, one has to remember Allah (SWT), in such a way that nothing remains in one's thoughts, mind and consciousness except, Allah (SWT). The repetition of Allah's name is to be done in such a way that Allah (SWT) overwhelms everything, until it is the beating of your heart and Allah (SWT), alone This is what, Allah (SWT) is saying to His Prophet □ in the Quran.

Prophets' blessings are such that whatever came into contact with them naturally became Zaakir, be it their shoes, clothes or the path they treaded on. If the streets of Makkah and Madinah were to be viewed by eyes of the heart, the places where the Prophet □ walked upon would be lit up more than the stars in the sky! Of what

Remembrance of the Heart

Continued...
Repeat, as of July 2016
Urdu Bayan Salana Ijtimah

Translated Speech of
Hazrat Ameer Muhammad Akram Awan MZA

Just like in Salah , a sound should not be heard while doing Zikr Allah, also. The next question arises, how much of the Zikr Allah should be done? Where ever in the Quran, بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ is mentioned its meaning is taken as 'Day and night' Here, it is implied that Zikr Allah should be performed 'round the clock'. Right after this, a strict directive is being given, وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِيْنَ and don't become heedless towards it. So it is strictly being reminded not to be negligent of Zikr Allah, even for a moment. Negligence could be of a moment or it may last for the whole lifetime.

There are many ways of doing Zikr Allah but Alhamdulillah, the one which has been taught to us by the Spiritual teachers of our Sufi Order (may Allah shower many blessings upon them), seems to be the best fit, given the parameters set forth, in this Ayah. One could try some other way, but no other way of doing Zikr Allah comes to the mind, which is as per the needed requirements. It is often asked, 'Where is it mentioned in the Quran regarding this method of doing Zikr Allah?' The answer is in the fore mentioned Ayah of Surah Al-Aaraaf. Do remembrance of your Lord, do it within your heart, in silence. Do it round the clock, with every breath. Do it with feelings of utmost humility along with reverence for Allah (SWT). Don't be negligent towards it. The name of Allah (SWT) will not become a part of your heart unless it's done in this silent way, and with due diligence. Those who do Zikr Allah loudly, ذکر جہر , they should contemplate over the limitations of that way; a person cannot perform Zikr Allah, with the tongue, while talking, eating, sleeping or when one falls unconscious. Zikr Allah of the heart, however is, that once it has been mastered by the heart, it becomes a continuous process, the heart, on its own, carries on remembering Allah (SWT) with every heart beat, whether one is awake or asleep, conscious or unconscious, even in the case of sudden fatality, one's heart is remembering Allah (SWT), to his last breath.

In the autobiography, "Mehar-e-Muneer" of Pir Mehr Ali Shah of Golra Shareef, I came across, an instance, where someone asks him in a gathering at his court, 'If at the time of sacrificing an animal someone fails to say Takbeer, as he was otherwise occupied by someone's entrance, who wanted to talk on an important matter, would the animal still be considered Halal?' He answered that it would not be Halal. If the person had stopped, even once, during his conversation and had said the Takbeer, the animal would have been considered, Halal. The person left after the query but Pir Mehr Ali Shah continued to address his gathering; he said that an animal, which has been made lawful by Allah (SWT) to eat, is not sacrificed properly, its last breath does not expire with the name of Allah (SWT), is not considered Halal, then what about the breaths that we take every moment and which go without

(SAWS). The Prophet(SAWS) shall favour you with his deputyship in the realm of spiritual truths and introspective states. So you will be an ambassador between the Creator and His creation moving to and fro and a servant of the Prophet(SAWS), remaining constantly in his attendance. Remember that all this cannot be attained through 'make believe' and self-indulgence. It is something sacred, embedded in the hearts and substantiated by practice."

He goes on (*Majlis* 44):

> "Guides are of two types, namely guides of Shari'ah and guides of mysticism. The former shall lead you to creation and the latter to the Creator."

Says Maulana Rashid Ahmad Gangohi:

> For a Sheikh, an understanding of the stations and the stages of the Path, the colours of the Divine lights peculiar to each one and the grandeur, advantages of ablution, the stages of Fana-o Baqa beyond the phases of inspection and observation of Divinity as well as the gnosis of His Greatness, Magnificence, Unity and Individuality is a must. This shall enable him to bring up the devotees, and guide the seekers correctly and to be worthy of being called a *Pir* (spiritual guide). (***Imdad as-Suluk***, p: 27)

Says Hadhrat Sultan Bahu:

> Remember that a Fana fi-ALLAH (SWT) saint is a perpetual observer of Divinity. It is not at all difficult for him to enrapture a seeker with the unity of God and to take him to the spiritual audience of the Prophet(SAWS). This cannot, however, be attained by remembrance, abstinence and piety alone; for it is an accomplished Sheikh who takes a seeker to his destination, holding him by the hand. It will be incorrect to call anyone who is deprived of these capabilities, as an

deprived of these capabilities, as an accomplished Sheikh; he is on the contrary, a robber. (***Ain al-Faqar***, p: 6)

Says Mujaddid Alif Thani:

> Knowledge of the state of the seeker and the stations of the Path, gnosis of the realities of Divine manifestation, acquisition of *kashf* and ilham and correct interpretation of events, are the essentials of this office. Without attaining them, any claim of spiritual deputization and sainthood is as good as building castles in the air. (***Maktubat***, Part I, Chapter 4, p: 221)

These extracts should dispel any doubts about the conditions and pre-requisites spelled out by the learned author for an accomplished Sheikh. One does, however, wonder as to why the sûfi saints nominate persons who do not fulfil these conditions as their successors. It is true that they sometimes do so but only for the purpose of Bai'at-e Wasilat. They are not competent to enforce Bai'at-e Tariqat. If such a person, out of ignorance, annexes to his name the title of Sheikh-e Tariqah, it does not in any way change the factual position.

****

NOTE:

On page 54,the portion of the article published in July 2016 is being repeated as due to some reasons the quoted Ayah(QURAN) Could not be printed. we regret the inconvenience.

do so, the stage termed as Fana fir-Rasul has the basic standing.

A Sheikh who cannot do this is imperfect in the mystic way of life. The author of *al-Abraiz* (p: 34), writes that so long as a spiritual communion with the Prophet(SAWS) is not attained, a communion with ALLAH(SWT) is out of the question. Sheikh Rafi ud-Din in his treatise on bai'at writes on this point:

The bai'at, considered reliable and acceptable by the sufis, is of four types:

(1) Bai'at-e Wasilat- (as a means of approach).
(2) Bai'at-e Shari'at.
(3) Bai'at-e Tariqat.
(4) Bai'at-e Haqiqat.

Any other kind of bai'at solemnised for the attainment of worldly prosperity or, for any secular benefits is of no consequence whatsoever.

(1) Bai'at-e Shari'at

This should be solemnised at the hands of a guide who besides being erudite and pious, should:

(a) Neither ignore nor show partiality in commanding what is right and forbidding, what is wrong;

(b) Judge and adopt the best and easiest possible course suiting the seeker's genius. The outcome of this bai'at will be salvation in the Hereafter.

(2) Bai'at-e Tariqat

The reality of this bai'at is that when a resolute bondsman of ALLAH(SWT) hears about the excellence and eminence of the aulia and learns about their *karamah*- e.g. people achieving their wishes, and the aulia having control over feelings and influencing a change of heart towards ALLAH(SWT), knowing the states of the dead or events of the future through *kashf*, meeting pious spirits, etc. - a yearning to attain these miraculous attributes naturally overtakes him. Since no skill can be acquired without practical training under the guidance of an expert, it for anyone to attain proficiency at his own through limited human intellect. Therefore, only that person who already possesses the foregoing attributes and is also a proficient teacher should be taken as a guide and a spiritual mentor and be followed in letter and spirit to help attain the desired goal. The outcome of such a bai'at is purification of the soul and illumination of the spirit with the Divine light enabling one to become a fountainhead of beneficence for others. This dispensation of beneficence makes one a Divine beloved because the entire creation is ALLAH'S family and ALLAH(SWT) loves him most who is of greatest service to his family. Such a person is honoured with *wilayah* and righteousness.

(3) Bai'at-e Haqiqat

Embodies: (1) total self-denial; (2) forsaking secular connection; (3) mortifying carnal desires; and (4) becoming inwardly unconcerned with relatives and worldly rank and position. The outcome of this bai'at is an existence eternalised by His lights, and the mortification of the dictates of the baser self. It is, therefore, obvious that the qualification of a Sheikh inducting persons to Bai'at-e Tariqat and Haqiqat are different from those relating to Bai'at-e Shari'at, and without possessing these qualifications he is not entitled to take Bai'at-e Tariqat and Haqiqat.

Says Sheikh Abdul Qadir Jilani in ***al-Fatah ar-Rabbani*** (*Majlis* 50):

> "O wayfarer of the Hereafter! Be with a guide each moment till you reach the destination. Serve him well throughout the journey. Be very respectful and do not wander away from his path, for he shall familiarise you with it and take you to the nearness of ALLAH(SWT). When convinced of your virtue and sincerity, he will make you his deputy in the caravan till you are brought and entrusted to the care of the Prophet(SS.A.W). The Prophet(S.A.W.) shall favour

An Objective Appraisal of The Sublime Path

Continued....

Translation of "Dalail us Suluk" written by Hazrat Maulana Allah Yar Khan (RAU)

LATAIF AND THE ACCOMPLISHED SHEIKH

Chapter-VII

My method is that I do not only take *Bai'at* (spiritual oath) on my hands but also impart knowledge of the Path; and after a seeker covers its initial stages, take him directly (spiritually) to the audience of the Prophet(SAWS) who undoubtedly is the spiritual leader of the entire universe. This is not the idle talk of a pseudo-saint who will tell his disciple to imagine as if he were in the audience of the Prophet(SAWS). What matters is that the seeker should himself observe his *Rûh* covering the initial stages of the Path, into the audience of the Prophet(SAWS) and taking *Bai'at* on Prophet's(SAWS) sacred hands. Anyone not having such an access to the Prophet(SAWS) and still taking *Bai'at* from the believers is a cheat, and is bound to meet Divine Retribution. This distinction between an accomplished Sheikh and a shallow master must be fully understood.

Some simple folk ask whether the death of a spiritual guide would necessitate a fresh *Bai'at*. They should know that *Bai'at* by itself is not the end, but a means to the end i.e. Divine Pleasure. Taking the hand of an accomplished Sheikh and receiving instruction from him with devotion, ultimately leads to the attainment of this end. If you do not take another guide on the death of the first one, it is to the detriment of your own vital interests. Your goal in that case is not Divine Pleasure but the worship of saints. It is a historical fact that the Companions, after passing away of the Prophet(SAWS) took *Bai'at* with the four noble Caliphs, one after the other.

As for the mystic way of life, the relationship between the seeker and the Sheikh is a highly delicate affair. In the case of an ordinary teacher, one may continue to benefit from his instructions in spite of his aversion and antagonism. But in the matter of pursuance of the Path, any indifferent attitude towards an accomplished Sheikh (if you are fortunate enough to find one), is not only detrimental to beneficence but also totally forbidden. His opposition, in fact, amounts to negation of the very purpose of inner purification and Divine Pleasure.

The Need for a Guide

Some people hold that there is no need to seek a guide. They argue that books on Tasawuf list all methods of *zikr* and invocations, and by following them one can achieve salvation. They forget that when indisposed, they do not rely on medical books or personal knowledge, but consult a qualified physician or specialist if possible. Similarly for spiritual health and progress one must turn to a spiritual specialist without whose guidance acquisition of spiritual health, inner purification and ALLAH's Pleasure are inconceivable.

****

Essay-2

Characterics of an Accomplished Sheikh

The characteristics listed under for a Sheikh clearly indicate that the term 'an accomplished Sheikh' here means a guide, who is capable of leading others onto the mystic Path and over its various stages. To do

MONTHLY
Al-Murshid

AUGUST 2016
SHAWAAL/ZIQAD 1437H

الله
رسول
محمد

IT IS ALWAYS THE ATTRIBUTES OF ALLAH (SWT) THAT ARE WORTHY OF A DEEP THOUGHT AND NOT ON ALLAH (SWT) HIMSELF: (FOR) IT IS BEYOND ANY HUMAN BEING. HIS KNOWLEDGE AND CAPACITY

(PAGE:12)

SHEIKH-UL-MUKARRAM AMEER MUHAMMAD AKRAM AWAN

(MZA)

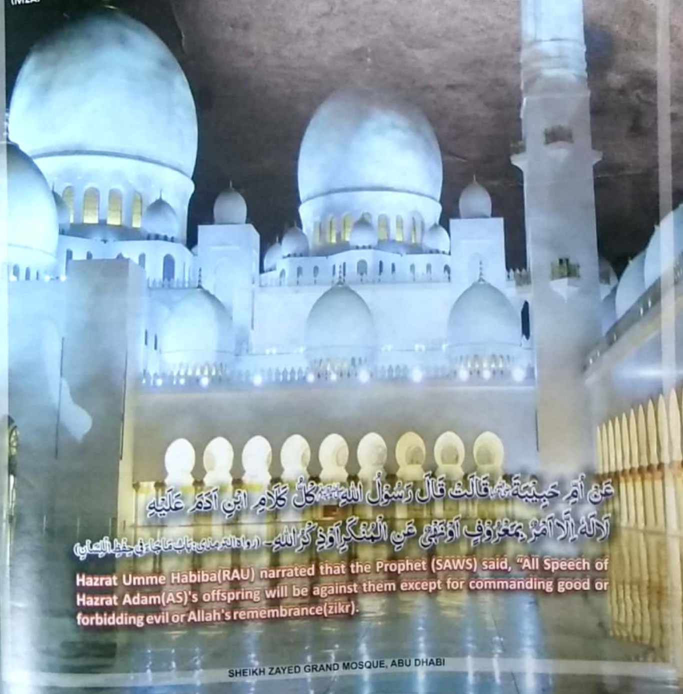

عَنْ اُمِّ حَبِيبَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ كُلُّ كَلَامِ ابْنِ اٰدَمَ عَلَيْهِ لَا لَهُ اِلَّا اَمْرٌ بِمَعْرُوفٍ اَوْ نَهْيٌ عَنِ الْمُنْكَرِ اَوْ ذِكْرُ اللهِ۔ (رواہ الترمذی: باب ماجاء فی حفظ اللسان)

Hazrat Umme Habiba(RAU) narrated that the Prophet (SAWS) said, "All Speech of Hazrat Adam(AS)'s offspring will be against them except for commanding good or forbidding evil or Allah's remembrance(zikr).

SHEIKH ZAYED GRAND MOSQUE, ABU DHABI

17 AWASIA SOCIETY COLLEGE ROAD, TOWNSHIP LAHORE

www.QuranTafseer.net

الحمدللہ کوشش کی گئی ہے کہ سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ کے حوالے سے تمام کتابیں اور آڈیو وڈیو بیانات کو آپکی سہولت کے لیے ایک جگہ پر اکٹھا کر دیا جائے اور تازہ جمعہ بیانات بھی آپ فوراسن سکیں۔ ویب سائیٹ کی اینڈرائیڈ اپلیکیشن بھی موجود ہے

آپ اپنے اینڈرائیڈ موبائل میں پلے سٹور سرچ میں جا کر نیچے دیئے گئے الفاظ لکھ کر آسانی سے یہ اپلیکیشن سرچ کر کے انسٹال کر سکتے ہیں۔

اس ویب سائیٹ اور اپلیکیشن سے آپ یہ سب کچھ حاصل کر سکتے ہیں۔

1- مفسّر، مترجّم ومفکّرِ قرآن حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان رحمتہ اللہ علیہ کی آڈیو، وڈیو اور تحریری تینوں طرح کی مکمل 30 پارہ اردو تفسیر اور مکمل 30 پارہ پنجابی تفسیر آڈیو وڈیو۔ 2- مشکوٰۃ شریف احادیث کی تشریح آسان ترین انداز میں آڈیو اور وڈیو بیانات۔ 3- اگر آپ کو قرآن ناظرہ پڑھنا نہی آتا یا آپ نے قرآن پڑھنا بہت پہلے سیکھا مگر اب صحیح تلفظ سے نہی پڑھ سکتے تو اب آپ دس دس منٹ کی کچھ وڈیوز دیکھ کر ناظرہ قرآن روانی سے پڑھنا سیکھ سکتے ہیں۔ 4- اس زمانہ کے سب سے مشہور 4 قاری صاحبان قاری مشری صاحب قاری السدیس صاحب قاری عبد الباسط صاحب اور قاری عادل الکلبانی صاحب کی آواز میں پورے قرآن کی آڈیوز سن سکتے ہیں۔ 5- حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان رحمتہ اللہ علیہ کا نعتیہ کلام 6- ذکر کرنے کا ایسا طریقہ جس سے آپ کا دل اور جسم کا ہر ذرہ اللہ کا ذکر کرنے لگے مکمل تفصیلات موجود۔ 7- پچھلے دس سال کے سالانہ اور ماہانہ روحانی اجتماعات آڈیو وڈیو بیانات کا خزانہ 8- اسلامی سوال جواب ٹی وی پروگرام المرشد کی تمام آڈیوز وڈیوز۔

9- سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ کی تمام کتابیں اور 1981 سے آج تک کے تقریبا تمام المرشد میگزین پی-ڈی-ایف میں ڈاؤن لوڈ کے لیے موجود۔ جلسوں، جمعہ بیان، سالانہ، ماہانہ اجتماعات کے بیانات کی تازہ آڈیوز فورا اپلیکیشن اور ویب سائیٹ پر آپ سن سکتے ہیں۔ آئی فون، ونڈوز موبائل اور کمپیوٹر والے حضرات یہ سب کچھ اوپر دی گئی ویب سائیٹ سے حاصل کر سکتے ہیں۔

آپ کی سہولت کے لیے سلسلہ کی کوئی بھی کتاب یا کسی بھی پارہ کی تفسیر پی-ڈی-ایف میں آپ کو اپنے وٹس ایپ پر چاہیے ہو تو اس نمبر پر کتاب کا نام یا پارہ نمبر بتا کر اپنے وٹس ایپ سے میسج کر کے حاصل کر سکتے ہیں۔ 03235205255